

# نسیم الحجالس

(حصہ اول)

سید نذر عباس ۲۰۱۹ء ۷۶۲۷۲۹۷۷  
رہائے ریجنل بھون تھری  
۱۰۱

علامہ نسیم عباس رضوی مدظلہ العالی



محترمہ سیدہ صدف نقوی

ناشر

ادارہ منہاج الصحاح، جناح ٹاؤن، گلبرگ، لاہور

لاہور فون: 5425372

# تسليم الجالس

(حصہ اول)

سید نور عباس 27.7.79ء کو لکھنؤ میں  
پیدائش ہوئی۔ والدین کا نام سید محمد  
رضوان ہے۔



علامہ نسیم عباس رضوی مدظلہ العالی



محترمہ سیدہ صدف نقوی

ناشر

ادارہ مشائخ العلماءین جناح، لاہور شہرینہ روڈ

لاہور فون: 5425372

## جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

### عرض ناشر

علامہ نسیم عباس رضوی کی نسیم خطابت کے روح پرور اور ایمان افزا مجموعوں سے وطن عزیز پاکستان اور بیرون ملک اردو بولنے اور سمجھنے والے مومنین کے اذہان و قلوب کو مسرور کرنے کے لئے ہم نے ان کے مختلف عشرہ ہائے مجالس محرم کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کاوش پیش خدمت ہے۔ اسے تحریری قالب میں ڈھالنے کے لئے ہم نے یونیورسٹی کالج لاہور کے شعبہ اردو کے استاد اور سربراہ چودھری مظہر عباس بھنڈر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یوں اوصاف تقریر و تحریر کی یکجائی سے ان مجالس کا لطف بیان و وبالا و دو آتشہ ہو گیا ہے۔ جب کہ ترتیب و تدوین کی خدمات محترمہ سیدہ صدف نقوی نے سرانجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

زیر نظر مجموعہ تقاریر محمد و آل محمد کے علوم کے بحر ذخار میں غوطہ زنی سے جواہر و لعالی کے دستیاب خزان پر مبنی ہے۔ علمیت کے لعل، ادبیت کے ہیرے، عقلیت کے نیلم، منطقیت کے موتی، روایت کے پتھر اور درایت کے ڈرنجف فصاحت و بلاغت کے سیم و زر میں مرصع کاری اور نقش نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔

نام کتاب ..... نسیم المجالس (حصہ اول)  
 خطب ..... علامہ نسیم عباس رضوی  
 ترتیب ..... سیدہ صدف نقوی  
 پیش ..... علامہ ریاض حسین جعفری  
 کیپرنگ ..... ایم۔ اعجاز احمد، ادارہ منہاج الصالحین لاہور  
 اشاعت دوم ..... 2007ء

روپے ..... RS.150-00

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20،

غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور فون: 7225252

ان سہل و سلیس رواں دواں اور پرمغز مجالس کو پڑھئے اور وجدان و عرفان سے سر دھئے۔ بعد از مطالعہ اپنی محسوسات اور آراء سے ضرور نوازئیے گا تاکہ ہمیں حوصلہ افزائی اور رہنمائی میسر آئے اور ہم خوب سے خوب تر کے حصول کو ممکن بنا سکیں۔

مخیرین سے استدعا ہے کہ ترویج و اشاعت علوم دینیہ کے لئے دل کھول کر تعاون فرمائیں کیوں کہ ایسے ایک ایک حرف حق کی اشاعت غلہ و فردوس کی ضمانت ہے۔

علامہ ریاض حسین جعفری

سرپرست اعلیٰ ادارہ منہاج الصالحین

لاہور

## مجلس اول

لا اکراه فی الدین فلتبین الرشد من الغی

(ایک دفعہ سب مل کے صلوٰۃ پڑھیں!)

حضرات محترم!

رفتہ رفتہ میری یہ کوشش ہو گی کہ میں آپ کے اذہان عالی کو ساتھ ساتھ لئے علم و عرفان کی ان منزلوں کو طے کروں جو فاطمہ کے لالہ کے صدقے میں صرف مجالس مودت ہی میں ملا کرتی ہیں..... ہمارے بعض احباب مختلف فرمائشیں کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے معیار پر پورا اترتے ہوئے کما حقہ تفصیلات بیان کریں۔ مگر جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ محرم کی مجالس کا انداز ذرا مختلف ہوتا ہے اور مصروفیات کچھ زیادہ ہو جاتی ہیں لہذا میں ایسے احباب کی تکمیل خواہشات سے معذرت طلب ہوں۔ ایک ہی مجلس میں تمام چیزوں کو سنیٹا بہت مشکل ہے ہاں البتہ آہستہ آہستہ انشاء اللہ ان کی فرمائشوں کی بھی تکمیل ہو گی۔

آج میرا خیال تھا کہ میں سات بجے ہی آپ سے خطاب شروع کروں سبب یہ ہے کہ ایک انتہائی مسکین بانی مجلس نے مجھ سے بار بار یہ کہا ہے کہ آپ خواہ دس منٹ ہی سہی

جلس میں ضرور شرکت کریں اور مزید برآں برادران اہل سنت کی خواہش ہے کہ آپ حج منٹ ہی بولیں، ہمیں محروم خطاب نہ کریں۔ چنانچہ آج میری کوشش یہ ہوگی کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مواد آپ تک پہنچاؤں۔ آپ بیدار ہو کر ایک صلوٰۃ پڑھ

میں اس دعا کے ساتھ آغاز کرتا ہوں کہ ہم میں سے جتنے بھی بلا اختلاف مذہب و مکتب میں مولانا کا ذکر سننے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور بے اولاد ہیں، انہیں عالم اولاد و صالح سے سرفراز فرمائے۔ بالخصوص ہمارے بانی مجلس کو خداوند قدوس اولاد و نعمت سے نالا مال کرے۔ ان کے والد گرامی کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور تمام کو شفا سے کلی عطا کرے۔

ست گرامی!

کل کا بیان تو آپ کے اذہان عالی میں ضرور ہوگا۔ میں نے لفظ اللہ پر اپنے محدود مطابق بحث کی تھی۔ یہ لفظ کہاں سے چلا اور کہاں سے ہوتا ہوا کہاں تک پہنچا..... ہر مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ وہ اللہ کی ذات کو منوائے۔ اسی لئے ہر آنے والے خالق ایک مالک، ایک پالک اور ایک ہی عطا کرنے والے پالنہار کی خبر دی۔ اللہ کی ذات کا تعلق ہے تو وہ ہمارے فہم و ادراک سے بہت بلند ہے۔ نہ وہ ذہن ہے نہ فکر میں ساتا ہے اور نہ تخیل اس تک پہنچتا ہے۔ حواس اس کا ادراک کرنے سے ناہم اس کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ہے اب اس کی معرفت کیسے سے کس طرح جانیں اور پہچانیں؟ تو اس نے اپنی معرفت کے لئے ہمارے سامنے نام بیان فرمائے ہیں ایک نام اس کا اسم ذات کہلاتا ہے اور وہ صرف اور صرف جسے اللہ کہتے ہیں.....

توجہ ہے نا صاحبان!

بات تو بڑی خشک سی ہے البتہ آپ کی محبت اسے تر بھی کر سکتی ہے۔ یہ جو لفظ اللہ ہے یہ اللہ رب العزت کا اسم ذات ہے اور اس نام میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہی تجہا مد ہے وہی تجہا وحدہ لا شریک ہے۔ باقی سب اس کے اسمائے صفات ہیں اور ان اسمائے صفات کی تعداد تقریباً ننانوے (۹۹) ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ننانوے کا تذکرہ محدود وقت میں میرے لئے ذرا مشکل کام ہے۔ یہاں تک اس کی باقی صفوں کا تعلق ہے وہ اس نے قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کی ہیں جب کہ دو صفیں بہت اہم ہیں جن کے لئے خود اس ذات کا فرمان ہے:

لہ الخلق ولہ الامر

”لوگو! یاد رکھو خلق کرنا اور امر کرنا صرف اسی کے کام ہیں۔ یہ دونوں کام صرف مجھے زیب دیتے ہیں اور میری یہ صفیں ہیں یعنی خلق بھی میں کرتا ہوں اور امر بھی میں کرتا ہوں۔“

خلق کی کیا تعریف ہے؟ تفصیلات انشاء اللہ آئندہ مجالس میں عرض کروں گا۔ جہاں بالکل اختصار کے ساتھ ایک بات عرض کرتا ہوں۔

چیز کو چیز سے بنانا خلق کہلاتا ہے، شے کو شے سے بنانا خلق ہے، کسی شے کو باری باری بنانا خلق ہے۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو یوں سمجھئے کہ کسی چیز کو رفتہ رفتہ بنانا خلق کہلاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة في

قرار مکین

کر ماں باپ میں رکھ دیا۔ پھر ہم نے اس کا علاقہ یعنی کچھ پانی کچھ خون اور کچھ گوشت کا مجموعہ بنا دیا..... پھر ہم نے اسے گوشت کا ٹکڑا بنا دیا پھر جب وہ بن گیا تو..... اس کو ہڈیوں میں بدل دیا جب ہڈیاں بن گئیں تو ہڈیوں پر ہم نے دوبارہ گوشت چڑھا دیا۔“

یعنی پہلے ایک شے کو بنایا پھر دوسری شے کو پھر تیسری شے کو پھر چوتھی شے کو پھر پانچویں اور پھر چھٹی..... ابھی تک روح نہیں آئی:

ثم انشاناہ خلقا آخر

”پھر ہم نے الگ سے ایک نئی مخلوق بنانے کا ارادہ کیا تو اس میں روح ڈال دی۔“

فبارک اللہ احسن الخالقین

”کتنا مبارک ہے وہ خدا جو احسن الخالقین ہے۔“ (نعرۂ حیدری)

بھئی!

اللہ آپ کو سلامت رکھے یا رکھے گا! جنسی ارتقائی منزلیں خداوند عالم نے انسان کی تخلیق کی بیان کی ہیں اب چاہے امریکہ کے میڈیکل سائنسٹ (Medical Scientists) ہوں یا برطانیہ کے، اٹلی کے ہوں یا یونان کے، چائے کے ہوں یا پاکستان کے..... جو کچھ قرآن مجید میں ہے کہ انسان کس طرح حکم مادہ میں پروان چڑھتا ہے، میڈیکل سائنس کے ماہرین آج سے چودہ سو سال پہلے بیان کئے ہوئے قانون الہی سے بال برابر بھی آگے جاسکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

توجہ ہے صاحبان!

اب وہ ارشاد فرماتا ہے کہ

”پہلے ”سلائت“ بنایا پھر سلائت کو ”نطفہ“ بنایا پھر نطفے کو ”علاقہ“ بنایا، علاقہ کو مضفہ بنایا، مضفہ کو اعزام بنایا، اعزام پر لم چڑھایا، پھر ہم نے ایک نئی مخلوق بنانے کا ارادہ کیا۔ اس کے اندر روح پھونک دی اور خداوند عالم احسن الخالق ہے۔“

یعنی پہلے ایک شے بنی، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی..... قرآن کی اصطلاح میں شے خلق کہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

”یہ رفتہ رفتہ اور باری باری بنانا میرا کام ہے اور جیسے رفتہ رفتہ بنانا میرا کام ہے وہو الامر اسی طرح امر کرنا بھی میرا کام ہے۔“

اب قرآن مجید نے امر کی تعریف بھی کی ہے:

انما امرہ اذا ارادنا شینا ان یقول لہ کن فیکون

کہ ارادہ کن ہوتے ہی جو شے فوراً بن جائے اسے کہتے ہیں امر اور جو رفتہ رفتہ ہے اسے کہتے ہیں خلق..... پھر غور سے سنئے جو ایک دم بن جائے وہ امر ہے اور جو رفتہ رفتہ بنے وہ خلق ہے۔

اب اللہ فرماتا ہے کہ یہ دونوں میں بنانا ہوں، دونوں میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جب کہ سائنس دانوں اور فلسفیوں نے مقابلہ پیدا کیا کہ رفتہ رفتہ بنانا اور یکدم بنانا دونوں آپس میں ضدین ہیں اور ایک جگہ کبھی دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہوتیں۔ جیسے آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے، رات اور دن جمع نہیں ہو سکتے، لیکن نیاز بیگ کا تو طریقہ ہی زالا ہے جہاں سو من اور چپ دونوں اکٹھے ہیں، ورنہ سو من اور چپ کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔

تو یاد رکھئے گا!

خلق اور امر دو چیزیں ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ یہ دونوں میرے قبضے میں ہیں جب کہ سائنس دان کہتے ہیں کہ دو چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ لہذا تمہیں ماننا پڑے گا کہ

دو رفتہ رفتہ بناتا ہے تو ایک دم کوئی اور بناتا ہے اور اگر وہ ایک دم بناتا ہے تو رفتہ رفتہ کوئی بناتا ہے۔ ہم اسی چکر میں پڑے رہے ہم نے سمجھا یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے مگر باب مدینہ کی کمی یونیورسٹی سے پڑھنے والے ایک چھوٹے سے طالب علم نے اس کو حل کر دیا۔

تہ چاہتا ہوں!

ایک دن میں ایک مومن کے گھر سے ملنے گیا۔ اس کے بچے سے ملاقات ہوئی ایک ٹیچر اسے پڑھا رہا تھا وہ ڈرائنگ ٹیچر تھا اور ڈرائنگ سکھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شے تھی جس کی دو ٹانگیں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا:

”بھئی! یہ کیا ہے؟“

نے کہا:

”مونا! یہ پرکار ہے۔“

نے کہا:

”پرکار سے کیا مسئلہ حل ہوتے ہیں؟“

نے کہا:

”اس سے ڈرائنگ کی چٹکیں بناتے ہیں۔“

نے کہا:

”بھائی مجھے بھی بنا کر دکھاؤ اور سکھاؤ۔“

اس نے ایک کاغذ پر دو ٹانگوں والی چیز یوں کر کے (گولائی میں) گھما دی کہ اس کا ایک ٹانگ سنٹر (Centre) میں تھی اور ایک ٹانگ ازا قاصلے پر! اس کے گھمانے سے دائرہ بن گیا اور دائرہ بنا اور دائرہ بنا اور مسئلہ میری سمجھ میں آیا کہ پرکار ایک ہے گھمانے والا ایک ہے کاغذ بھی ایک ہے ٹانگیں ہیں دو! ایک سنٹر میں ایک قاصلے پر! سنٹر والی کے بنایا قاصلے والی نے دائرہ بنایا۔ نقطے والی نے فوراً بنادیا دائرے والی نے آہستہ آہستہ

گویا ایک ہی ہاتھ سے دونوں چیزیں بن گئیں۔ (نعرہ تکبیر)  
اس طرح نہیں ذرا بیدار ہو کر..... (نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری)

فرمائی آپ نے!

سائنس دانوں کے قول کہ ایک ہی ہاتھ سے دو متضاد چیزیں نہیں بن سکتیں کا ہونا کیوں کہ جب مخلوق کے ہاتھ سے دو متضاد چیزوں کا بنا ممکن ہے تو خالق بھلا ایسا نہیں کر سکتا؟ ہمارا یہ مدلل جواب ان دہریوں کے لئے ہے جو خدا کے وجود ہی کے لئے ہیں۔

اس موضوع سے گھبرا گئے ہو تو مجھے بتا دو کل سے میں موضوع چنج (Change) میں ہوں گا۔ یہ تو میرے اپنے اختیار میں ہے تا! لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو نئی نسل کے دامن میں تمہوڑا بہت تو پڑے۔ اس لئے کہ یونیورسٹیوں میں کالجوں میں انہی باتوں کو سمجھتی ہے۔

سنان محترم!

اب ایک ہی ہاتھ میں دونوں چیزوں کا بنانا آ گیا! ایک دم بنانا بھی اور رفتہ رفتہ بھی..... یہاں سے میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ نقطہ بنا فوراً دائرہ بنا رفتہ رفتہ..... تو جو بات کا نقطہ یعنی مرکز ہو گا وہ امر سے فوراً بن جائے گا اور جو اس پر قربان ہونے کے لئے بات کا دائرہ بنے گا وہ چھ دنوں میں رفتہ رفتہ مکمل ہوتا ہے گا۔ (نعرہ حیدری)

اب ذرا سوچ کر بتائیے گا! اللہ دو طریقوں سے بناتا ہے امر سے بھی اور خلق سے تو جیسے وہ خلق سے بناتا ہے تو کیا کہلائے گا؟ علمائے فرماتے ہیں کہ وہ صاحب الخلق

کہلائے گا۔ تو بھئی! جیسے اللہ خلق سے بنائے گا وہ صاحب الخلق کہلائے گا تو جسے ایک دم امر سے بنائے گا وہ یقیناً صاحب الامر کہلائے گا۔ البتہ مالک الامر نہیں، مالک ہونا اور شے ہے صاحب ہونا اور شے ہے۔

میں نے قلم خریداً، خریدنے کے بعد مالک القلم تو ہوں، لکھتا نہیں ہوں لہذا صاحب قلم نہیں ہوں۔ پیسے ادا کر کے تلوار خرید لی تو میں مالک السیف تو ہو گیا صاحب السیف نہیں ہوا کیوں کہ تلوار چلاتا نہیں ہوں۔ تو ثابت ہوا مالک الامر وہ ہے جس کی صفت امر ہے مگر صاحب الامر وہ ہو گا جس کے اشارے پر امر چلتا ہوا نظر آئے۔ جو امر کو حرکت میں لے آئے وہ کہلاتا ہے صاحب الامر! میں نے ساری کائنات پر نظر ڈالی کہ ہے کوئی ایسا جس کے اشارے پر امر چلتا ہو اور نظر آئے۔ تو پوری کائنات میں کوئی نظر نہ آیا اور اگر کوئی نظر آیا تو ایک موقع پر ۳۶ ہجری، صفر کا مہینہ جمعہ کا دن، کونے کی مسجد، ایک کائنات اکٹھی، دنیا ہمدن گوش! باب مدینہ اعلم خطبہ دے رہا تھا..... یہ پورا خطبہ ابھی نہیں سناؤں گا بلکہ آنے والی مجلسوں میں سناؤں گا۔ آج ذرا وقت میرے پاس محدود ہے اس لئے میں معذرت کے ساتھ صرف اتنا عرض کروں گا کہ جب علیؑ خطبہ دے کر اچھے اترے تو اپنے ایک صحابی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

من یمت یرنی

”جو مرے گا جب مرے گا جہاں مرے گا علیؑ کو دیکھے گا۔ میں ہر

مرنے والے کے سر ہانے پہنچوں گا۔“

ارے ساری دنیا کے غلام اکٹھے ہو گئے۔ کہنے لگے:

”مولاً! آپ ہر مرنے والے کے سر ہانے کیسے پہنچیں گے؟ اس لئے

کہ ہمیں تو مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ایک شخصیت آپ ان واحد میں ہر

جگہ موجود نہیں ہو سکتی۔“

”مجھ سے کیا پوچھتے ہو قرآن سے پوچھو یا پھر اللہ سے پوچھو۔“

اس لئے کہ ملک الموت آتا ہے روح کھینچنے اور روح ہے امر ربی! قرآن کہتا ہے:

قل الروح من امر ربی

”کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے۔“

اور فرشتہ امر لے نہیں سکتا جب تک اولی الامر موجود نہ ہو۔

(نعرہ حیدری..... مل کر با آواز بلند نعرہ حیدری)

مجھ سے میرے محترم سامعین!..... عزیزان محترم!

اس دور میں تو یہ کوئی سوال ہی نہیں کہ میرا مولاً کیسے پہنچ جائے گا ہر جگہ..... بھئی!

یہی سادی سی بات ہے کہ روح اول تو مرتی ہی نہیں، یہ ایک مستقل بحث ہے۔ مومن کی

روح تو بہت بلند ہے، معاف کرنا مشرک اور کافر کی روح بھی نہیں مرتی..... اب مومن کی

روح، کافر کی روح اور مشرک کی روح میں فرق کیا ہے؟ یہ آج نہیں آنے والی مجلس میں

عرض کروں گا، آج صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ ہمیں موت آتی نہیں، ہم مرتے نہیں.....

اس لئے کہ مرتا وہ جس کا سائیں مرا ہوا ہو، جس کا مرشد مرا ہوا ہو، لیکن ہمارا نہ مرشد مرے

اور نہ ہم مرے۔

توجہ چاہتا ہوں!

ہمارا تو انتقال ہوتا ہے۔ اب انتقال کا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ یہاں سے منتقل ہو کر

وہاں چلے گئے؟ ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کوئی صاحب مجھ سے یہ سوال کر لے کہ ایک

ملک سے دوسرے ملک منتقل ہونا کوئی آسان کام ہے۔ ویزہ چاہئے، پاسپورٹ چاہئے، شناختی

کارڈ چاہئے، اجازت نامہ چاہئے، یہ چاہئے وہ چاہئے۔ مگر یاد رکھئے، ایہ چیزیں وہاں چاہئے ہوتی

یہی وہاں ہے۔ اس لئے کہ ہمارے حکمران کا لقب ابوتراہ ہے.....

توجہ کیجئے گا!

کیا لقب ہے اس کا؟ ابوتراہ! اور ابوتراہ کا لفظی معنی کیا ہے؟ مٹی کا باپ.....  
ٹھیک ہے اب وہ مٹی کا باپ ہے۔ یہی ترجمہ ہے اس کا! مگر یہ عربی کی فصاحت و بلاغت  
سے ناواقفیت کا ترجمہ ہے۔ ابوتراہ ہے مٹی کا باپ تو ساری دنیا مٹی سے بنی ہے۔ پرانے  
سننے والے تفریف فرما ہیں میں اس ترجمے پر اغیار کا اعتراض سنا تا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ  
اگر علیؑ مٹی کے باپ ہیں تو جناب سیدہؑ کو جدا کر کے باقی جتنی بھی ازدواج علیؑ ہیں سب مٹی  
کی بنی ہیں وہ علیؑ کے نکاح میں کیسے آسکتی ہیں؟

بیٹھے ہو یاڑ گئے ہو“ اگر بیٹھے ہو تو میرا ساتھ دو۔ یہ وہ اعتراض ہے جس نے  
بڑے بڑے مولویوں کا تالھہ بند کر دیا۔ خدا کی قسم! جب میں نے ریسرچ کی تو پتہ چلا کہ لفظ  
ابو صرف باپ ہی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ ابوا کہتے ہیں ملکیت کو اب کہتے ہیں  
مالک کو..... چونکہ بچوں کے جان و مال کا مالک باپ ہوتا ہے اس لئے اسے ابو کہتے ہیں۔  
جیسے ہماری زبان میں بگڑا ہوا لفظ ابو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکڑیوں کے ٹال کے مالک کو  
ابوالاشاب کہتے ہیں۔ اب ترجمہ کیجئے لکڑیوں کا باپ.....

بھئی!

لڑکیوں کا باپ تو ہوتا ہے یہ لکڑیوں کا باپ کیا ہے؟

توجہ..... توجہ!

زمیندار کو عربی میں ابوالحقول کہتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کنوؤں اور کھیتوں کا

باب..... تو کہیں کھیتوں کا بھی باب ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ ہوگا کھیتوں کا مالک ٹھیک ہے نا!

گویا ابو کے معنی مالک کے ہوتے ہیں۔ اب ابوتراہ کا ترجمہ کیجئے۔ یہ ہوگا مٹی کا مالک.....  
خدا کی قسم ہم سمجھتے تھے کہ زمین ہی پر مٹی ہے مگر سائنس کی چشم گنار نے ہر سیارے ستارے  
پر مٹی ڈھونڈ نکالی ہے۔ یہ جو کہکشاں ہے اس کے اندر ۴۱ ارب سورج ہیں اور ہر سورج کا اپنا  
نظام شمسی ہے اور سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اس سورج سے لے کر ہر ستارے اور سیارے پر  
مٹی ہے اور اس کہکشاں جیسی اربوں کہکشاں موجود ہیں۔ ارب ہا سورج موجود ہیں اور  
ارب ہا ستارے سیارے موجود ہیں اور جہاں جہاں تک کائنات ہے وہاں وہاں تک مٹی  
موجود ہے اور جہاں جہاں تک مٹی ہے علیؑ ابوتراہ ہے۔ (نعرہ حیدری)

سامعین! توجہ چاہتا ہوں!

جہاں جہاں تک مٹی ہے وہاں وہاں تک علیؑ ابوتراہ! اب سوال پھر وہی ہے کہ  
ایک علیؑ کیسے ہر ہر قبر میں آتا ہے؟ یہ مسئلہ آپ مجھ سے نہ پوچھیں کسی مولوی سے پوچھیں نہ  
کسی ذاکر سے! اگر یہاں کوئی پنواری بیٹھا ہے تو اس سے پوچھتے ہیں کوئی تحصیلدار بیٹھا ہے  
تو اس سے پوچھتے ہیں۔ افسرانِ مملکت مال سر پر قرآن رکھ کر اور ایمان کو حاضر ناظر کر کے  
بتائیں کہ جب تک مالک موجود نہ ہو زمین کا انتقال ہو سکتا ہے؟.....

نہیں آئی سمجھ میں بات!

ابو کے معنی ہیں مالک کے اور جس جس کا انتقال ہو رہا ہے وہ بنے ہوئے ہیں اب  
(مٹی) کے..... تو انتقال ہو ہی نہیں سکتا جب تک ابوتراہ موجود نہ ہو۔ (نعرہ حیدری)

توجہ ہے دوستانِ محترم!

اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیچھے یہ دنیا کیوں پڑتی ہے کہ وہ سمجھ میں نہیں

آتا، فکر میں نہیں آتا، نظر میں نہیں آتا۔ خدا نے فرمایا:

”میرے پیچھے نہ پڑو مجھے سمجھنا ہے تو میرے منظر کو سمجھو۔“  
اس لئے کہ حقیقت نظر نہیں آیا کرتی، منظر نظر آیا کرتا ہے۔

بھئی! آپ اتنے حضرات تشریف رکھتے ہیں، میرا نام جانتے ہیں آپ؟ بولو! نسیم عباس..... ”جانے اونہ چنگی طراں، مجلس وچ بیٹھ کے سچ بولنا۔ میرا ناں؟ نسیم عباس! آپ نسیم عباس کو دیکھ رہے ہیں، مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ نہ بولنا۔ ایک جملہ ہوتا ہے مرکب اضافی۔ مرکب اضافی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ترجمے میں ”کا“ یا ”کو“ کے الفاظ آتے ہیں۔ مضاف اور ہوتا ہے مضاف الیہ اور ہوتا ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ کے ملنے سے مرکب اضافی بنتا ہے۔ خدا کے لئے علم کی باتیں ہوں تو گھبرانہ جایا کریں ورنہ مجھے ہر طرح کی تقریر آتی ہے روز ایک کہانی سنا کے بھی بھاگ سکتا ہوں۔

توجہ چاہتا ہوں!

جتنی میں محنت کروں، ریسرچ بیان کروں آپ کو بھی چاہئے کہ اتنا ہی میرا ساتھ دیں۔

مضاف اور ہوتا ہے مضاف الیہ اور ہوتا ہے۔ مثلاً نسیم کا رومال..... لفظ ”کا“ آیا نسیم اور ہے رومال اور ہے۔ نسیم کی ٹوپی..... لفظ ”کی“ آیا، نسیم اور ہے ٹوپی اور ہے..... چودھری صاحب نے کہا ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں، نسیم عباس کو..... اب ذرا کوئی پوچھے ان سنتے یہ جو آپ نے کہا کہ نسیم کو دیکھا تو آپ نے دیکھا اتنا حصہ (چہرے کی طرف اشارہ کر کے) یہ نسیم کا چہرہ ہے، نسیم اور ہے اس کا چہرہ اور ہے۔ آپ نے دیکھے ہیں نسیم کے بازو معاف کرنا یہ بھی نسیم نہیں ہے۔ یہ تو نسیم کے بازو ہیں، نسیم اور ہے اس کے بازو اور ہیں۔ پورا بدن دیکھا ہے، یہ بھی نسیم نہیں ہے، نسیم اور ہے اس کا بدن اور ہے۔ وہ نسیم آخر کہاں چلا گیا؟ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ آپ کے اندر جو روح چھپی ہوئی ہے وہ نسیم ہے۔ معاف کرنا وہ بھی

کا..... یہ اس کا بدن وہ اس کی روح! نسیم اور ہے روح اور ہے۔ نسیم اور ہے بدن اور ہے۔ تو نسیم کہاں چلا گیا؟

چودھری صاحب مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ بول دیا۔ تم نے نسیم کو دیکھا، آپ کہیں گے جناب ہمیں جھوٹا نہ کہیں مومن جھوٹ نہیں بولتا۔ ہر چیز کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک حقیقت، ایک منظر..... ہم تم سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں، ہمیں چکرت دو۔ توجہ چاہتا ہوں!

نام اس منظر کا وہی ہے جو حقیقت کا ہے۔

یاد رکھئے! کائنات کی حقیقت اللہ ہے۔ وہ نظر نہیں آئے گا جب بھی نظر آئے گا منظر نظر آئے گا۔ اب اگر منظر کا نام بھی وہی ہو جائے جو حقیقت کا ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ بھی علیٰ اعظم ہے، منظر کا نام بھی علیٰ ہے۔ اب چاہے خدا خدا کر دیا ہے علیٰ علیٰ کر دے کیا فرق پڑتا ہے؟ (نعرہ حیدری)

اب میں کیا عرض کروں نیاز بیگ والے ذاکر تو سنتے ہیں سر پلا اور نعرہ لگا رہے ہیں بے سرا..... (نعرہ حیدری)

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

میرے مولا علیٰ کو سمجھنا ہر عقل کے بس میں نہیں، نہ ہی ہر فکر میں علیٰ سما سکتا ہے، وہ ہے منظر خدا، یاد رکھئے! حقیقت نہ یہاں نظر آئے گی نہ وہاں..... نہ دنیا میں نہ آخرت میں! جب بھی نظر آئے گا منظر خدا ہی نظر آئے گا۔ اب یہ جو لوگ کہتے ہیں نا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔

توجہ چاہتا ہوں!

بیگ والو!

اگر میں تمہیں چھڑا کر نہ لاؤں تو میرا نام نسیم عباس کی بجائے جمعہ خان رکھ دیتا۔

چاہتا ہوں!

اس لئے کہ اگر اللہ سے واسطہ پڑ گیا اور جیسا کہ مولوی صاحبان سناتے ہیں کہ دن خدا عرش پر بیٹھے گا اور ساری مخلوق اس کے سامنے جائے گی اور وہ عدل دے گا۔ چنانچہ واسطہ پڑا اللہ سے ہم پہنچ گئے اللہ کے پاس:

”اللہ میں سلام!“

نے کہا:

”وعلیکم سلام! کیا نام ہے تیرا؟“

نے کہا:

”جی نسیم عباس! کیا کرتے رہے دنیا میں؟“

سے سامنے جھوٹ تو بول نہیں سکتا تھا سیدھی بات کرنی پڑی:

”یا اللہ! جلسیں پڑھتا تھا۔“

”کہاں کہاں پڑھتے تھے؟“

”یا اللہ! جہاں سے پیسے زیادہ ملتے تھے۔“

جھوٹ تو بول نہیں سکتا میں اللہ کے سامنے:

”غریب کے ہاں کیوں نہیں پڑھا؟“

”یا اللہ! طبیعت خراب تھی۔“

”فلاں دن تمہاری طبیعت تو ٹھیک تھی پھر کیوں نہیں پڑھا؟“

”یا اللہ میں نے استخارہ دیکھا تھا استخارہ میں آیا۔“

”اچھا چل! ایک بات بتا صبح کی نماز پڑھتا تھا؟“

”یا اللہ کبھی کبھی.....“

”یہ کبھی کبھی کیوں پڑھتا تھا؟ روز کیوں نہیں پڑھی؟“

”یا اللہ! نیند بڑی آتی تھی۔“

کہا:

”نیند کو گولی مارتا۔“

کہا:

”تجھے نیند آئے تو تجھے پتہ چلے کہ نیند کو گولی مارنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔“

اب ظاہر ہے:

لا تأخذہ سنة ولا نوم

”نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔“

اللہ نے کہا:

”اچھا چلو ٹھیک ہے! بال بچوں کے لئے دو پہر کو روزی کمائی تھی؟ اور

پھر نماز ظہر بھی پڑھی تھی؟“

”یا اللہ! روزی کمانے میں مصروف تھا ظہر اور عصر کی بھی نہیں پڑھ سکا۔

بال بچوں والا تھا روزی کما رہا تھا۔“

”نہ کماتا۔“

کہا:

”اللہ میاں تیرے بال بچے ہوں تو پتہ چلے۔“

اب بتاؤ اللہ کے پاس کیا جواب ہے:

”نہ کما تا۔“

کہا:

”سب سے پہلے۔“

کہا:

”پھر کیا ہوا؟“

کہا:

”کھول دیا سب سے پہلے.....“

”کیوں کھولا؟“

”بھوک بہت لگی تھی۔“

کہا:

”بھوک کو بھول جاتا بھوک کو گونی مارتا۔“

”یا اللہ! تجھے بھوک لگے تو تمہیں پتہ چلے۔“

”خدا کی قسم! انسان بہت جھگڑا لو ہے۔ اگر اللہ سے ڈارے کٹ واسطہ پڑ جائے تو ایسی

ہی بھیشیں کرے گا:

”بہاد میں گئے تھے؟“

کہا:

”سب سے پہلے۔“

کہا:

”پھر بھاگ کیوں آئے؟“

کہا:

”وہاں موت تھی۔“

”مر جاتا۔“

”تھم مٹا آئے تو۔“

”بھائی ایمان سے بتائیں! اللہ سے انسان یہ جھگڑا کرے گا یا نہیں؟ اسی لئے اللہ

کہا:

”میں یہاں آؤں گا نہ وہاں آؤں گا۔ وہاں پر بھی انہیں کو بھیجوں گا جنہیں وہاں بھیجا تھا۔“

”وہ کون ہیں؟“

”وہ خدا نہیں ہیں مظہر خدا ہیں۔“

”اور اگر مظہر خدا سے واسطہ پڑا تو اس کے سامنے یہ لیت و لعل نہیں چلے گی کہ بھوک لگی تھی لہذا روزہ توڑ دیا نیند بہت آتی تھی لہذا نماز فجر نہ پڑھ سکا موت کا خدشہ تھا لہذا جنگ سے لوٹ آیا۔ مظہر خدا کہے گا یہ سارے عمل میں نے کر کے دکھائے ہیں۔“

”چاہتا ہوں!

”اسی لئے اس نے اپنے مظہر کو بنایا تاکہ انسان سے ڈارے کٹ واسطہ پڑے اور نہ پڑے۔ مظہر خدا کے سامنے جب کھڑے ہوں گے تو وہ کہے گا میں نے ہر عمل کر کے ہے بھوک سب کے دکھائی جنگ میں جا کر دکھایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں نے روزے رکھ کر دکھائے میں نے فاسقے کر کے دکھائے۔“

”سب سے پہلے یا نہیں ہے؟“

”بھائی ایمان سے بتائیے! ان کو حجت اللہ کیوں کہتے ہیں؟ یاد رکھئے! جو انسان کی

”جو قیامت کے دن توڑ کر پھینک دے وہ حجت اللہ ہے۔“

”سبس آ رہی ہے یہ بات!

”اور بس دوستو! میں معافی کے ساتھ تمہارے دو جملے مصائب کے بول کر اجازت لیتا

ہوں۔ تفصیلی مصائب میں انشاء اللہ کل سے شروع کروں گا اور قیامت کے دن ہم سب یوں کھڑے ہوں گے۔ خدا کی قسم! اچانک آواز آئے گی:

”یا اہل محشر! وہ..... اہل قیامت اپنی آنکھیں بند کر لو۔“

ونکسوار و مساکم

”سروں کو جھکا لو۔“

ہماری مجال نہیں ہوگی کہ کیوں آنکھیں بند کریں؟ کیوں سروں کو جھکائیں؟ انبیاء جبرائیل سے پوچھیں گے:

”جبرائیل! کیا بات ہے؟“

جبرائیل کہے گا:

”تمہیں معلوم نہیں ہے کائنات کے سب سے بڑے مظلوم کی ماں آ رہی ہے؟“

جبرائیل آواز آئے گی:

”قیامت کا دن ہے ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوگا۔ آج میں بھی فریاد بن کر آئی ہوں مگر میں صرف تیری ذات سے انصاف چاہتی ہوں۔“

”ہاں فاطمہ! تیرا مقدمہ کیا ہے؟“

”یا اللہ! مقدمات تو بہت ہیں ایک ہی کا فیصلہ کر دے۔“

”کیا مقدمہ ہے؟ پیش کرو۔“

”یا اللہ! میرے گھر سے ایک دن میں ۷۲ جنازے اٹھے۔ ایک نہیں دو

نہیں تین نہیں، ۷۲ جنازے اٹھے۔ مجھے آج تک کسی نے تسلی نہ دی

فاطمہ تیرے گھر کیا پست گئی۔“

اللہ پوچھے گا:

کیا تیرے ۷۲ قتلوں کا کوئی عینی گواہ ہے جو یہاں آ کر گواہی دے تاکہ مسل کھل کروں اور دشمن کا منہ بند کر دوں۔“

آواز آئے گی:

”پروردگار! گواہ موجود ہے تو اپنی عدالت کے ذریعے طلب فرمائے۔“

”کون ہے وہ؟“

”شام میں میری بیٹی ہے جو میرے ۷۲ قتلوں کی عینی گواہ ہے۔ جو سر پر

قرآن رکھ کر فریاد کرتی رہی، مگر اس کی فریاد کو کسی نے نہ سنا۔“

حکم ہوگا:

”حورو جاؤ! فرشتو جاؤ! شام سے گواہ کو نوری محل پر بٹھا کر لاؤ۔“

نیاز بیگ والو!

اب آئے گی قیامت پہ قیامت..... اب آئے گا حشر پہ حشر کہ جب حوریں بھی خالی لوٹیں گی، جب فرشتے بھی نامراد واپس آئیں گے۔ اللہ پوچھے گا:

”کیوں گواہ نہیں آیا؟“

”نہیں گواہ نے آنے سے تو انکار نہیں کیا، مگر گواہ نے ایک شرط لگا دی ہے۔“

”کیا شرط ہے وہ؟“

”گواہ نے کہا ہے کہ اس سے پہلے بھی میں درباروں میں جا چکی ہوں

آج میں اللہ کے حقیقی دربار میں آ رہی ہوں۔ آج میں نوری محل پہ

نہیں آؤں گی میں دیسے ہی آنا چاہتی ہوں جیسے شام کے بازار میں گئی

تھی، آج میں دیسے ہی آنا چاہتی ہوں جیسے کونے کے بازار میں گئی

تھی۔ کیا میرا اس طرح آنا منظور ہے؟“

اگر علیؑ کی بیٹی بے کجاوے اونٹ پر بیٹھی ہوئی، کھلے سر اور بندھے ہاتھوں کے ساتھ زین العابدینؑ مہاری کی سنگت میں میدان قیامت میں آگئی تو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، فاطمہؑ مقدمہ ایک طرف رکھ دیں گی، رسولؐ شفاعت ایک طرف رکھ دیں گے، عباسؑ غازی دوڑ کر قدموں میں سر رکھ دیں گے، میری شہزادی آج میں زندہ ہوں! میری شہزادی! آج میں موجود ہوں۔ اس وقت شہزادی فرمائیں گی:

”بھائی عباس! میری گواہی تو چلتی رہے گی، اس وقت زینبؑ کے دل کی ایک خواہش ہے اسے پورا کر۔“

غازی سر جھکا کر کہے گا:

”میرا حکم فرمائیے۔“

شہزادی فرمائیں گی:

”جتنے میرے بھائی کو رونے والے ہیں سبھی کو میرے سامنے لاؤ۔ میں سب کا شکر یہ ادا کروں۔“

میرا کی قسم! میری بہنو! میری ماؤں! میرے بھائیو! اس وقت زینبؑ آواز دے کر کہیں گی:

”میرے بھائی کو رونے والو! میں زینبؑ تمہاری شکر گزار ہوں، تمہاری ممنون احسان ہوں۔ تم نے وہ کام کیا جو ظالم دنیا نے ہمیں نہ کرنے دیا۔ ہم رونا چاہتے تھے ہمیں نیزوں سے چپ کرایا گیا، ہم ماتم کرنا چاہتے تھے مگر ہمارے ہاتھ گردنوں سے باندھ دیئے گئے۔“

عزیزو!

میرا بیان ختم ہوتا ہے۔ مجھے بانی مجلس ملکِ مسلم صاحب نے کہا کہ میری والدہ مرحومہ کے لئے فاتحہ ضرور پڑھائیں۔ میں نے فاتحہ پڑھوائی! آپ نے کیسے بڑھی؟ توں

اتھ اٹھا کے! غریب سے غریب کے ہاں بھی کوئی جاتا ہے تو یوں فاتحہ پڑھتا ہے۔ خدا کی قسم! جس مظلوم کو آپ رونے آئے ہیں وہ اتنا بڑا مظلوم ہے کہ اس کی بہنیں فاتحہ بھی نہ پڑھ سکیں۔ کیوں نہ پڑھ سکیں؟ میرے بارھویں امامؑ فرماتے ہیں کہ

”میرا سلام ہو اس دادی پر کہ جس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے، وہ بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ یہ کہہ کر چلی گئی حسینؑ میں بندھے ہوئے ہاتھوں سے تمہیں چھوڑے جا رہی ہوں، مگر وعدہ کر کے جا رہی ہوں کہ قیامت تک آنے والی مجالس میں ساری دنیا کے لئے جو فاتحہ پڑھا جائے گا، تیرے صدقے پڑھا جائے گا۔“

اللہ آپ کی مجلس قبول کرے، اللہ مومنوں کو سلامت رکھے۔ سنئے! زینبؑ اس طرح بھائی کی لاش سے لگی ہیں (مجبوراً) جیسے نہ واقف گزر جاتے ہیں جیسے حسینؑ اس کا کچھ لگا ہی نہ تھا۔

عزیزو!

خدا کی قسم! بہن بھائی کا رشتہ ایسا نازک ہوتا ہے کہ بچپن کے واقعات ساری دنیا بھول جائے مگر بہنیں نہیں بھولتیں۔ اب یہ دو جملے اپنی بہنوں کے لئے سنا تا ہوں..... جب بھائی کی لاش پہ بے مثال بہن آئی تو بھائی کی لاش کو دیکھا۔ اس کے ذہن میں بچپن کے تمام واقعات آنے لگے۔ بڑے حوصلے سے دو جملے اور سن لیں۔ زینبؑ جھکی اور بھائی کی لاش پر جھک کر کہنے لگی:

”حسین! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عید کے دن اماں زہراؑ نے تیرے

لئے رضوان جنت کے ہاتھ جنت سے عید کا جوڑا منگوا یا تھا.....“

یہ بچپن کا واقعہ تھا! بہن کہتی ہے:

”مجھے یاد ہے جنت سے دھڑکی تیرے کپڑے لایا تھا۔ حسین! سن

جنت بھی موجود ہے وہ درزی بھی موجود ہے میری زبان میں ماں کا سا  
اثر بھی موجود ہے اگر تو مجھے اجازت دے تو اماں نے جس درزی سے  
تیرے لئے عید کا جوڑا منگوایا تھا، آج محرم کی گیارہ تاریخ کو بہن اسی  
درزی سے تیرا کفن منگوائے.....“

راکی قسم! شہید اعظم کی لاش تڑپ گئی۔ جواب آیا:

”میری بہن تکلیف نہ کر، جن خالموں نے انگٹھی کی خاطر میری انگلی  
نہیں چھوڑی وہ کفن کہاں چھوڑیں گے؟“

نہب بولی:

”حسین! تجھے بے کفن تو چھوڑ کر جا رہی ہوں مگر وعدہ کر کے جاتی  
ہوں کہ اگر قیامت تک اہل ایمان میں کفن تیرے سزار سے تقسیم نہ ہوا  
تو مجھے بہن نہ کہنا.....“

آج جو بھی کر بلا جاتا ہے اس سے یہی فرمائش ہوتی ہے کہ بھائی کر بلا سے کفن  
تو آتا۔ کر بلا والا کہتا ہے:

”مجھے رونے والو! میں بے کفن تو دفن ہو گیا مگر قیامت تک تمہیں کفن  
تقسیم نہ کرتا رہوں تو مجھے نہب کا بھائی نہ سمجھنا.....“  
اللہ آپ کی مجلس قبول فرمائے بارگاہِ خدا میں آپ کی عبادت منظور ہو۔

(خدا حافظ!)



## مجلس دوم

بسم الله الرحمن الرحيم

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله.....

مومنین مل کے صلوات پڑھیں!

مذکورہ آیہ مبارکہ کے ضمن میں کس میں نے جو گوش گزار کیا یقیناً وہ آپ کے اذہان  
عالی میں محفوظ ہوگا۔ کل گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ خداوند عالم نے اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے  
لئے وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور خطاب بھی کیا ہے تو اہل ایمان سے کیا ہے۔ اب  
ایمان والوں سے بس خطاب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ  
اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور میری بارگاہ تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو..... اللہ کی راہ  
میں جہاد کرو شاید اسی طرح تم فلاح پا جاؤ۔ اللہ کا پسندیدہ دین دین اسلام ہے۔

جیسا کہ میں نے کل عرض کیا کہ اسلام کی روح کا نام ایمان ہے اور ایمان کی روح  
کا نام آل محمد کی ولایت ہے۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم نے خندق کے میدان میں ارشاد فرمایا  
تھا:

”اے علی! تیری ہی محبت کا نام ایمان ہے اور تیری ہی محبت کا نام

تقویٰ ہے۔“

چیز ایک ہی ہے۔ علیٰ کی محبت اگر دل میں رہے تو ایمان ہے اور اگر عمل میں ڈھل جائے تو تقویٰ..... (صلوٰۃ پڑھ دیجئے..... با آواز بلند!)

سامعین!

ہوتا یہ ہے کہ اکثر و بیشتر حضرات محبت اہل بیت کے لئے محبت مولائے کائنات کے لئے حوالے ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ اس لئے کہ بغیر کتاب میں دیکھے ہم مانیں گے نہیں۔ تو یہاں میری ایک طالب علمانہ گزارش ہے چیزیں ہوتی ہیں تمہیں ایک کہلاتی ہے علم دوسری کہلاتی ہے فن اور تیسری کہلاتی ہے فطرت.....

علم کتابوں میں ملتا ہے پڑھنے سے آتا ہے فن سیکھنے سے آتا ہے۔ آپ اپنے بچوں کو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم پڑھاتے ہیں۔ کتابوں میں فلسفہ ہے منطق ہے تاریخ ہے ریاضی ہے۔ جتنے بھی علوم دفنون ہیں آپ کتابوں سے پڑھاتے ہیں، گویا علم پڑھنے سے آتا ہے اور فن سیکھنے سے آتا ہے۔ مثلاً کھانا پکانا، سینا پر دنا، سویٹر وغیرہ بنانا فن سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ فن سیکھنے سے آتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو روٹی پکانا، کھانا کھلانا، سینا پر دنا، کپڑے کاڑھنا سکھاتی ہیں اور اگر صرف علم ہی علم ہو اور سکھایا کچھ نہ جائے تو پھر فن نہیں آتا۔

یہ روزمرہ کی باتیں ہیں، میں تو روزمرہ کی چیزیں دیکھتا رہتا ہوں اور ان سے نتیجے نکالتا رہتا ہوں۔ کون ایسا فرد ہے جو ماشاء اللہ روٹی نہ کھاتا ہو؟ اب اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ صاحب! روٹی کیسے پکتی ہے؟ تو میں آپ کو اس کے پکانے کی تعلیم تو دے سکتا ہوں کہ آٹا لیجئے، اس میں پانی ڈالئے، پھر انگلیوں سے ہلا دیجئے اور دو تین لمبیاں ماریئے اور پھر جب آٹا گند جائے تو اس میں سے تھوڑا بیڑا توڑیئے ہاتھ پہ رکھے، گول کیجئے، اوپر سے دہائے دو چار چھبکیاں دیجئے اور پھر تو سے ڈال دیجئے۔ یہ میں نے آپ کو محض پڑھایا ہے، سکھایا نہیں

ہے کیوں کہ آپ نے سکھا نہیں ہے حالانکہ ہے یہ ایک فن..... تو اب جب آپ میرے پڑھائے پر عمل کریں گے تو انشاء اللہ جیومیٹری کی ساری شکلیں اس روٹی میں اکٹھی ہو جائیں گی۔ کہیں سے گول، کہیں سے مکون، کہیں سے موٹی، کہیں سے پتلی، کہیں سے کچی، کہیں سے پکی۔ تو فن سکھانے سے آتا ہے جب کہ علم پڑھانے سے آتا ہے۔ جہاں تک محبت کا حلق ہے یہ نہ علم ہے اور نہ فن..... یہ ہیومن نیچر (Human Nature) ہے، فطرت ہے اور فطرت سکھانے سے آتی ہے نہ پڑھانے سے.....

مئی!

آپ حضرات بچوں کو ایم۔ اے کر داتے ہیں، پی۔ ایچ۔ ڈی کرواتے ہیں پڑھاتے ہیں، بچوں کو سارے فنون سکھاتے ہیں، کپڑا سینے کے پر دنے کے، کھانا پکانے کے..... لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ جس دن ماشاء اللہ بچہ پچی جوان ہو گئے تو کسی دن آپ نے اپنے بیٹے سے کہا ہو بیٹا! تم نے ایم۔ اے کر لیا ہے۔ آج میں تمہیں یہ تعلیم دوں کہ جب خدا تمہیں بیٹا عطا کرے، صاحب اولاد بنائے تو اسے محبت کیسے کرنی ہے؟..... میں نے نہیں دیکھا کہ مائیں بچوں کو سب کچھ سکھانے کے بعد یہ بھی کہیں کہ بیٹی! اللہ جب ساری گود ہری کرے اور تیری گود میں بیٹا بیٹی آئے تو اس سے محبت کیسے کرنی ہے اس سے ار کیسے کرنا ہے!!.....

نہیں ہرگز نہیں، فطری طور پر بغیر پڑھائے، بغیر سکھائے، جب بھی کسی بیٹے یا بیٹی کی گود میں اللہ رب العزت بیٹا یا بیٹی دے گا تو وہ بغیر لکھائے پڑھائے ان سے پیار کریں گے۔ جس طرح ان کے ماں باپ نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ ماشاء اللہ میں جہاں کہیں جاتا ہوں لوگ چھوٹے چھوٹے بچے گود میں اٹھا کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں مولانا! آپ مداح اہل بیت ہیں ذرا بچے کو پھونک مار دیجئے تاکہ یہ صاحب علم بنے۔ اس کے بعد وقت گزرتا رہا

سال کا اپنی گود میں اٹھائے لا رہا ہے کہ مولانا آپ نے مجھے بھی دم کیا تھا یہ میرا بیٹا ہے  
اے بھی پھونک مار دیجئے..... (میری بات پہ غور ہے صاحب!..... صلوات)

حبان!

میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے یہ پوچھا ہو کہ اللہ نے مجھے جیٹا تو  
دیا ہے لیکن یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ میں اپنے بیٹے سے محبت کروں۔ مجھے ذرا اس کا  
مہ دیجئے، کیوں کہ میں تو بڑا پکا مسلمان ہوں بغیر حوالہ دیکھے اسے پیار و یار نہیں کروں گا۔  
تو اس سے محبت نہیں کروں گا!..... کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ میں اپنے بیٹے سے محبت  
کروں۔ تعجب ہے یا نہیں!! کسی نے آج تک مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ اس لئے کہ بیٹے  
سے محبت ہے، اس سے محبت ہے، باپ سے محبت ہے یا روحانی ماں باپ سے محبت ہے.....  
میری ماں باپ کے لئے عرض کرتا چلوں سرکارِ دو عالم نے فرمایا:

”میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں۔“ (نعرہ حیدری)

تو ہمارے جو حقیقی ماں باپ ہیں وہ ہیں سرکارِ دو عالم اور مولانا علیؑ..... ارشاد ہوتا

”میں اور علیؑ اس پوری امت کے باپ ہیں اور یاد رکھنا جو علیؑ کو باپ

نہیں مانتا وہ کافر ہے، مسلمان نہیں۔“

یہ حدیث مبارک یہاں ختم ہوتی ہے۔ (صلوات)

سامعین!

جہاں اپنے ماں باپ سے محبت ہے، جہاں اپنی اولاد سے محبت ہے یعنی جو عارضی

ماں باپ ہیں ان سے محبت اگر بغیر حوالے کے کرتے ہیں تو پھر جو روحانی ماں باپ

توجہ ہے نا!

کتابوں کا حوالہ محبت میں نہیں مانگا جاتا۔ اس لئے کہ کتابوں سے علم ملتا ہے، فن  
سیکھنے سے آتا ہے جب کہ محبت علم ہے اور نہ فن..... اب جو محبت علیؑ کے لئے کتابوں کے  
حوالے مانگتے ہیں یہ درحقیقت محبت نہ کرنے کے بہانے ہیں۔

(نعرہ حیدری..... نعرہ صلوات)

توجہ ہے صاحبان!

اور یہی سبب ہے کہ آپ جب نجف اشرف جاتے ہیں یا کسی بھی فریقے کا کسی  
مفتی سے ملتے ہیں کہ مولانا علیؑ پوری انسانیت کے امیر ہیں..... وہاں جا کر جو جملے آپ  
پڑھتے ہیں وہ کیا ہیں:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہمارے نہایت مہربان باپ ہیں۔“

یہ جملے آپ کو پڑھنے پڑتے ہیں عالم ہیں، فاضل ہیں، ان پڑھ ہیں ہر کوئی وہاں جا  
کر یہ کہتا ہے:

”آپ ہمارے مہربان باپ ہیں۔“

آپ ڈائریکٹ بات کرتے ہیں:

”میں آپ کے پاس بھوکا آیا ہوں میرے پیٹ بھر دیں..... میں

آپ کے پاس فقیر آیا ہوں مجھے مالا مال کر دیں۔“

تغییر نے یہ کیوں کہا کہ میں اور علیؑ اس پوری امت کے باپ ہیں۔ علیؑ کا دامن

تمام لو۔

یہ روزمرہ کی چیزیں ہیں دوستو! روزمرہ کی چیزیں آپ دیکھتے ہیں نتیجے نکالتے رہا

کر س..... فرض کریں میں اس وقت گھر سے آیا تو میرے.....  
Presented by www.ziaaraat.com

اس پر آم یا کیونگے ہوئے ہیں۔ میرا بچہ میرے ساتھ آیا تھا۔ اس نے میرا دامن کھینچا اور کہنے لگا:

”ابا جان! یہ پھل مجھے تو زدیں۔“

میں نے اس سے کہا:

”بیٹا! تم خود تو زلو۔“

تو بچہ ہو کر اتنی عقل تو اس میں بھی تھی کہ اس نے کہا:

”اگر میرا ہاتھ پہنچتا تو میں آپ کا دامن کیوں پکڑتا؟ آپ میرے باپ

ہیں آپ کا دامن اس لئے پکڑا کہ آپ بڑے ہیں بزرگ ہیں آپ کا

ہاتھ پہنچتا ہے آپ اسے تو زکر میرے حوالے کر دیں.....“

یہی مقبر اکرم فرمانا چاہتے ہیں کہ

”یاد رکھنا! تم کو دلیلے کا حکم اس لئے ہے کہ تم گناہوں کی کوتاہیوں کے

سبب اتنے چھوٹے ہو کہ تمہارا ہاتھ اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ علی تمہارا

باپ ہے اس کا ہاتھ بے اللہ ہے اس کا دامن تمہارا! بے اللہ وہاں سے

لے گا اور تمہارے دامن میں دے دے گا۔“

(نعرۂ حیدری..... بھئی! دل کھول کے صلوٰۃ پڑھ لیجئے!)

توجہ ہے دوستو!

تو یاد رکھئے! علی اور اولاد علی سے محبت کا تعلق کسی نرتے سے نہیں ہے اس کا تعلق

کسی علم سے نہیں ہے اس کا تعلق کسی فن سے نہیں ہے یہ تو انسانی فطرت ہے.....

بھئی!

علی کہتا ہے میں نان کھاؤں گا، کوئی کہتا ہے میں سادہ روٹی اور فلاں سالن کھاؤں گا۔ یہ تجربے پر محمول ہے، سیکھنے سے تجربہ آ جاتا ہے لیکن جہاں تک بھوک کا تعلق ہے تو میں نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے کہا ہو جناب آج مجھے چاول کی بھوک لگی ہے اور کسی نے کہا ہو جناب مجھے کوکا کولا کی پیاس لگی ہے یا روح افزاء کی پیاس لگی ہے۔ نہیں پیاس لگے گی، صرف بھوک لگے گی، کیوں؟ یہ ہیومن نیچر (Human Nature) ہے باقی وہ تجربات پر موقوف ہے۔

میری بات پہ غور کیا آپ نے!

مجھ سے لندن میں ایک طالب علم نے سوال کیا، جناب مولانا! اگر اسلام میں فطرت ہے تو پھر جو بھی فطری شے ہے وہ تو خود بخود محسوس ہوتی ہے مثلاً بھوک، پیاس..... اگر اسلام دین فطرت ہے تو محسوس نہیں ہوتا؟

میری بات پہ غور فرما رہے ہیں آپ!

اب ظاہر ہے کہ اس ماحول کا سوال ایسا ہی تھا۔ وہاں پر جا کر ہمارے یہاں کے پڑھے لکھے اکثر مولوی صاحبان بھی ذرا پکرا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ تقریر کے بعد یہ جو بکچس منٹ کا "Question Period" ہوتا ہے۔ وہاں اس میں ذرا پریشانی کا سامنا ہوتا ہے.....

تو میں نے وہاں پر یہی کہا دیکھو حضور من! فطرتاً بھوک محسوس ہوتی ہے فطرتاً پیاس محسوس ہوتی ہے، کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ فلاں کھانے کی بھوک لگی ہے یا فلاں جگہ کے پانی کی پیاس لگی ہے یا روغنی نان کی بھوک لگی ہے یا ڈبل روٹی کی بھوک لگی ہے۔ اس بھوک کو منانا، اس پیاس کو منانا فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ آپ کے تجربے پر موقوف ہے جو آپ کے

کرتے ہیں۔ اسی طریقے سے یہ بھی یاد رکھئے گا کہ اسلام یا دیگر جتنے بھی مذاہب ہیں وہ محسوس نہیں ہوں گے۔ محسوس ہوتا ہے مذہب..... مذہب کہتے ہیں چلنے کے راستے کو ماں کی گود سے قبر میں پہنچنے تک جس کے اوپر آپ چلیں گے وہی مذہب کہلائے گا.....

توجہ ہے یا نہیں!.....

بغیر مذہب کے آپ زندگی نہیں گزار سکتے۔ اب کس مذہب کو اختیار کرنا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کون سا کھانا کھانا ہے، کون سا پانی پینا ہے۔ یہ تجربے پر موقوف ہے جو آپ کے لئے مناسب ہے جو آپ کے لئے مفید ہے آپ وہی غذا کھاتے ہیں وہی پانی پیتے ہیں لیکن میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ مذہب کی ضرورت محسوس کرتا ہے انسان اور اسلام سے بہتر کوئی مذہب اللہ نے پیدا کیا ہی نہیں۔ (با آواز بلند ایک صلوٰۃ پڑھ لیں!)

بھی!

تاہم تو نہیں بیٹھے آپ! بار دیگر صلوٰۃ پڑھ لیں محمد و آل محمد پر..... میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ محبت انسانی فطرت ہے۔ اس کے لئے کتابوں کے حوالے نہیں مانگے جاتے۔ بھائی! اب محبت کی پہچان کیا ہے؟ محبت کی پہچان میری نگاہوں میں اور میرے محدود مطالعے میں تحریر ہے کہ یہ ایک لفظ ہے جو اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن عربی کا ترجمہ میں اردو میں کر دیتا ہوں۔ جہاں ایک لفظ آ جائے گا وہی جگہ مرکزیت ہو جائے گی اور وہ لفظ ہے اپنا..... اپنا جہاں آئے گا محبت خود بخود آ جائے گی۔ اپنا ماں، اپنا وطن، اپنا شہر، اپنا بھائی، اپنی بہن، اپنا باپ، اپنی ماں، اپنا دوست، اپنا کاروبار، اپنا ضلع، اپنا کون، جہاں جہاں لفظ اپنا آئے گا وہ جگہ یا چیز مرکز محبت بنتی جائے گی.....

توجہ فرمائیے گا!

کہ میں جس کتاب سے پڑھتا ہوں اس کتاب کا نام کتاب زندگی ہے۔ صلوٰۃ پڑھ لیجئے ایک دفعہ با آواز بلند..... اور وہ کتاب ہر ایک کے پاس ہے بازار سے نہیں ملتی۔ جو اللہ سے لینا چاہے وہ دے دیتا ہے۔

روزمرہ کے تجربات میں فطری طور پر جو نتائج آپ کے سامنے آتے ہیں آپ دین فطرت کو اس پہ پرکھتے چلے جائیے۔ بھئی! زلزلے آتے ہیں، جاپان میں اکثر جھٹکے آتے رہتے ہیں۔ اخبار میں خبریں شائع ہوتی ہیں بس آپ ایک دفعہ پڑھتے ہیں اور سرسری پڑھ کر گزر جاتے ہیں۔ ٹیکساں میں زلزلہ آ گیا، آپ نے پڑھا مگر پھر دوسری خبر پڑھنے لگے، پھر مزید خبریں پڑھنے لگے۔ لیکن اگر اخبار میں یہ آ جائے کہ خدا نخواستہ لاہور میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے تو آپ بار بار دیکھیں گے، لاہور میں جھٹکے! زلزلے کے جھٹکے لاہور میں! وہ جھٹکے گزر بھی گئے مگر آپ کے جھٹکے ختم نہیں ہوئے۔ آپ بار بار اخبار پڑھ رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ لاہور اپنا شہر ہے، یہاں اپنے گھر ہیں، یہاں اپنے عزیز ہیں، یہاں اپنے ہم وطن ہیں، یہاں اپنے رشتہ دار ہیں۔ جہاں جہاں لفظ اپنا آ جائے گا وہیں وہیں محبت سمجھتی چلی آئے گی اور ہر ایک کا اپنوں کا ایک حلقہ ہوتا اور ہر انسان کوشش یہ کرتا ہے کہ اس کے حلقے میں جتنے لوگ ہیں وہ نکلنے نہ پائیں اور کوئی کسی دوسرے کے اپنوں میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔ صرف ایک ہستی اس کائنات میں ایسی ہے کہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی طرح ہمیں اپنالے یا ہم کسی طریقے سے اس کے اپنوں میں شامل ہو جائیں.....!!

توجہ ہے یا نہیں!

اور وہ اکیلی ہستی ہے محبوب الہی، خاتم النبیین، سردار انبیاء کی۔ (صلوٰۃ)

سب لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم رسول کے اپنوں میں چلے جائیں۔ یا رسول ہمیں اپنا کہیں اور اس تک دو دو میں ساری کاوشیں صرف ہو گئیں۔

میری بات پہ غور ہے یا نہیں!

”اے میرے حبیب! یہ جو ساری دنیا تیرے اپنوں میں شامل ہونا چاہتی ہے، میں اس کو "Finalize" نہ کر دوں کہ تیرے اپنے ہیں کون؟ تاکہ صفحہ روزگار پر مہر لگا دوں تاکہ تیرے اپنوں کے حلقے سے تیرے اپنے نکلنے نہ پائیں اور دوسرے آنے نہ پائیں.....“

کہہ کر میرے اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ

”اے میرے حبیب! تو اعلان کر دے تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنی بیٹیوں کو لاؤ ہم اپنی بیٹیوں کو لاتے ہیں۔ تم اپنی جانوں کو لاؤ ہم اپنی جانوں کو لاتے ہیں۔“

میں نے مباہلہ..... پھر مباہلہ کر لیتے ہیں۔ اب مباہلہ کرنے کے بعد مستقل قرار دیں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ (با آواز بلند صلوٰۃ!)

اچھا! رسول کا اپنا بیٹا تو تھا کوئی نہیں دو بیٹے ہوئے اللہ نے اٹھائے اور ظاہر ہے مرید بھی بیٹے ہوتے ہیں۔ تو ذہنوں میں یہی خیال آیا کہ رسول کا اپنا بیٹا تو ہے کی نہیں، ہم مرید ہیں پیغمبر اکرم کے! ہم ہی میں سے کسی کو اپنا بیٹا بنا کر لے جائیں گے۔ نئے دھوئے تیاریاں کیں یہ ۲۴ ذی الحجہ کا واقعہ ہے ماشاء اللہ بن سنور کر مسجد میں آ کر بیٹھ کر کہہ رہے تھے ہم ہی میں سے کسی کو پیغمبر لے جائیں۔ مگر پیغمبر اکرم نے آ کر دیکھا تو کہنے:

”ماشاء اللہ! بڑے موہنے لگ رہے ہو بہت اچھے ہو۔“

کر آواز دی:

”حسن بیٹا اوھر آؤ۔“

حسن کو انگلی تھما دی، حسین کو گود میں اٹھالیا اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس میں کسی سنی کو اختلاف نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی قرآن مجید کے حاشیے پر یہ لکھا کہ

(ایک صلوٰۃ پڑھیں با آواز بلند!)

توجہ ہے صاحبان!

تو اب میں تمہیں کوثر و تسنیم پر بیٹھے ہوئے اپنے استاد محترم کا ایک جملہ سنا دوں..... یہ انہی کی ادا تھی اور انہی کو آتا تھا اور وہی یہ کہہ سکتے تھے:

”لوگ مدینے میں ماشاء اللہ نہائے دھوئے بیٹھے ہیں۔“

رسول نے فرمایا:

”حسن تم آؤ۔“

اور حسین کو اٹھالیا اور یہ کہہ کر چل دیئے:

”اچھا اب ہم جا رہے ہیں۔“

مدینہ والوں نے عرض کیا:

”سرکار! یہ جو ہم نہا دھو کر بیٹھے ہیں.....!“

فرمایا:

”سنو! یہ جنہیں لے کر جا رہا ہوں یہ ہیں میرے ابنائنا۔“

انہوں نے کہا:

”اگر یہی آپ کے ابنائنا ہیں تو ہم؟“

فرمایا:

”تم اب نہ آنا..... تم یہیں بیٹھے رہو۔“ (صلوٰۃ)

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

اب ہر شیعہ سنی مورخ نے لکھا کہ پیغمبر اکرم نے اپنا بیٹا کس کس کو بتایا؟ جناب

امیر المؤمنین سے فرمایا:

”اپنے بیٹے مجھے دے دو۔“

اور قدرت نے ابنا کہا کہ ”حسنین کو پیغمبر کا بیٹا بنا دیا۔“ (صلوٰۃ)

کیوں بھی!

جب سب شیعہ سنی نے لکھا کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ اپنے بیٹے مجھے دے دو تا کہ میں انہیں اپنے بیٹے بنا کر لے جاؤں۔ اب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی ایک قلندرانہ بات کر لوں کہ وہ خاتم النبیین جو ہر بدعت کا خاتمہ کر چکا تھا جب بوقت ضرورت علی سے اپنے لئے بیٹے مانگ سکتا ہے تو اس کے غلام اگر علی سے بیٹے مانگ لیں تو بدعت کیسے؟..... (سیرۃ حیدری)..... ذرا مل کر صلوٰۃ پڑھ لیجئے!

بے جان اللہ! حالانکہ

ابنا و ابناکم

”اللہ تم اپنے بیٹوں کو لائیں گے ہم اپنے بیٹوں کو!“

ابنا جمع کا لفظ ہے اور زبان عربی کا اصول ہے کہ جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا

ہے۔ ایک ہوا واحد دو ہوں تو حشیہ اور اگر تین یا تین سے زیادہ ہوں تو جمع..... ورنہ ہر بان میں واحد ایک اور جمع دو۔ دو سے جمع شروع ہو جاتی ہے جب کہ عربی زبان میں اور پیغمبر کی ایک اور زبان سنسکرت میں جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے..... اب جموں پہ ڈالنے جا ہے ہیں لعنت! صید ہے جمع کا! اپنے بیٹوں کو لاؤ! یہ جو پورا مدینہ بیٹوں سے بھرا ہوا تھا تو سر دو ہی بیٹوں کو کیونکر لے کر گئے؟

سگی!

اتنے بچے ہیں، کسی اور کو بھی ساتھ لے لیتے۔ چلو پیغمبر نہیں لے کر گئے تو ماں

بھی کہہ دیتے جناب! ہمارے بھی تو بچے ہیں انہی کو لے جائیے۔ مگر ان کا ضمیر یہ سمجھ رہا

کہ چونکہ جموں کے مقابلے پر جا رہے ہیں لہذا اپنے بہت ہیں لیکن سچے صرف دو..... اس لئے کہ سچا بچہ صرف وہی ہوگا کہ جس نے کھیل کود میں بھی کبھی جموٹ نہ بولا ہو۔

وجہ فرمائیے!.....

اپنے بیٹوں کو لائے ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں۔ چنانچہ بلا اختلاف فرقہ و مذہب ہر ایک نے لکھا کہ صرف دو گئے یعنی حسنین ہی ساتھ گئے۔

اب لفظ نساء جو ہے اس کا لفظی ترجمہ بھی دو عورتیں ہیں۔ گویا یہ بھی جمع کے لئے ہے، لیکن یہاں

ترجمہ ہے دو بیٹیاں۔ کیونکہ معنی و بیان کا اصول یہ ہے کہ جب متعلقہ لفظ بدلتا تو معنی بھی بدل جاتا ہے۔ نساء کا ترجمہ دو عورتیں ہیں بشرطیکہ یہ رجال کے مقابلے میں آئیں جیسے ”نساء من الرجال رجال من النساء“۔ قرآن مجید میں آتا ہے مرد اور عورت۔ (توجہ ہے یا نہیں!) لیکن اگر ”ابنا“ کے مقابلے میں آئے تو معنی بدل جاتے ہیں۔ اردو میں بھی ایسے کتنے ہی لفظ ہیں جن کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً میاں بیوی۔ اب یہاں میاں کے معنی شوہر کے ہیں مثلاً میں نے کہا یہ باغ ہے جس کا بھی ہے اس میں سے دو آم تو ڈلاؤ۔ مالی نے کہا سائیں! ترک تو آپ کا اپنا ہے ذرا میاں صاحب آ جائیں۔ اب یہاں میاں کے کیا معنی؟ مالک کے۔ ہمارے سرگودھا اور جھنگ میں جو امام جمعہ اور جماعت پڑھاتا ہے وہ اگر چہ سجدہ کا امام ہے لیکن لوگ اسے میاں جی کہتے ہیں اور اگر پورا خاندان کام کرتا رہے تو لوگ میں میاں کے کہتے ہیں۔ اب دیکھیں نا! یہ تو میں آپ سے روزمرہ کی باتیں کر رہا ہوں۔ تو اگر میاں کے معنی ہر جگہ شوہر کے ہوں تو جو جماعت کروا رہے ہیں وہ تو ہو گئے میاں جو پیچھے کھڑے ہیں آپ انہیں کیا کہیں گے؟ اگر ہر جگہ پر میاں کے معنی شوہر کے ہیں تو پھر اللہ میاں کے کیا معنی ہیں؟ یاد رکھئے! جہاں متعلقہ لفظ بدلتا ہے وہاں معنی بدل جاتے ہیں۔ ”نساء“ کا ترجمہ دو عورتیں ہیں بشرطیکہ یہ رجال کے مقابلے میں ہوں اور جب ”ابنا“ کے ساتھ ”نساء“ کا لفظ آئے گا تو ترجمہ ہوگا دو بیٹیاں۔

قرآن مجید نے فرعون کے تذکرے میں کہا وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرو دیتا تھا اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور اب وہاں لفظ ”نساء“ بیٹوں کے معنی میں آیا ہے ”ابنا“ کے مقابلے میں.....

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

یاد رکھئے گا یہاں پر بھی چونکہ ”ابنا“ کے ساتھ آ رہا ہے اس لئے ترجمہ ہے بیٹیاں۔ زبول ڈالنے جا رہے ہیں جموںوں پر لعنت..... چنانچہ سب نے لکھا کہ بیٹی گئی تو ایک

یہ یعنی دو بیٹیاں۔ فرض کریں کہ اگر ہیں چار اور گئی ایک تو جھوٹ تو وہیں ثابت ہو سکتی ہے۔ پر غور ہے یا نہیں! ہے جمع کا صیغہ لیکن گئی ایک بیٹی۔ اسی لئے تو ہم نے کہا کہ اگر آج نہیں تو پھر بالکل نہیں اور ماشاء اللہ اتنے جانثار ہیں لیکن کوئی پیغمبر کی طرف نہیں جاسکا۔ جان پیغمبر بن کر اگر کوئی گیا تو وہ ہے صرف اور صرف ایک علی..... کسی کسی کو کوئی اختلاف نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اتنی احتیاط کیا کہ جموںوں پر لعنت کرنے جا رہے تھے اس لئے جس ترتیب سے آیت نازل ہوئی ترتیب سے نکلے۔ ”ابنا“ پہلے آیا تو حسین کو آگے رکھا پھر ہے ”نساء“ تو رکھا پھر ہے ”انفسنا“ تو سب سے آخر میں مولا علیؑ کو رکھا حالانکہ سب سے پہلے میدان مبلہ۔ یہ جو خیر خندق وغیرہ کی جنگیں ہیں ان کو میں مبلہ کے کہتا ہوں اس لئے کہ ان کو تو شعراء نے بھی ان الفاظ میں پیش کیا۔

خبر میں قتل مرحب بھلا کوئی قتل تھا  
پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے

یا نہیں!

اصل میدان جنگ وہ ہوتا ہے جہاں نظریات کی ٹکر ہو جہاں دو روحانیتیں آپس میں ٹکرتی ہیں۔ تو وہ صرف ایک میدان تھا جس کو مبلہ کہا جاتا ہے۔ ادھر سے کہیں تھے اور ادھر سے سرکارِ دو عالم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں ہے اور تین ایک میں ہیں یعنی ایک میں تین ایک میں..... عیسیٰؑ، مریمؑ، روح القدس اور یہاں قرآن کی آیت اتر آئی:

قل هو الله احد

”میرے حبیب! ان سے کہہ دے کہ اللہ احد ہے۔“

گویا اللہ کے ”احد“ ہونے کے عیسائی قائل نہیں تھے اور لفظ ”احد“ میں اس لئے ہوں کہ اردو زبان میں لفظ احد کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میں اس کا ترجمہ ”ایک“

ترجمہ ہے دو بیٹیاں۔ کیونکہ معنی و بیان کا اصول یہ ہے کہ جب متعلقہ لفظ بدلتا تو معنی بھی بدل جاتا ہے۔ نساء کا ترجمہ دو عورتیں ہیں بشرطیکہ یہ رجال کے مقابلے میں آئیں جیسے ”نساء من الرجال رجال من النساء“۔ قرآن مجید میں آتا ہے مرد اور عورت۔ (توجہ ہے یا نہیں!) لیکن اگر ”ابناء“ کے مقابلے میں آئے تو معنی بدل جاتے ہیں۔ اردو میں بھی ایسے کتنے ہی لفظ ہیں جن کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً میاں بیوی۔ اب یہاں میاں کے معنی شوہر کے ہیں مثلاً میں نے کہا یہ باغ ہے جس کا بھی ہے اس میں سے دو آدم توڑ لاؤ۔ مالی نے کہا سائیں! ترکہ تو آپ کا اپنا ہے ذرا میاں صاحب آ جائیں۔ اب یہاں میاں کے کیا معنی؟ مالک کے۔ ہمارے سرگودھا اور جھنگ میں جو امام جمعہ اور جماعت پڑھاتا ہے وہ اگرچہ مسلمان کا امام ہے لیکن لوگ اسے میاں ہی کہتے ہیں اور اگر پورا خاندان کام کرتا رہے تو لوگ انہیں میاں ہی کہتے ہیں۔ اب دیکھیں نا! یہ تو میں آپ سے روزمرہ کی باتیں کر رہا ہوں... تو اگر میاں کے معنی ہر جگہ شوہر کے ہوں تو جو جماعت کرا رہے ہیں وہ تو ہو گئے میاں تو جو بیچھے کھڑے ہیں آپ انہیں کیا کہیں گے؟ اگر ہر جگہ پر میاں کے معنی شوہر کے ہیں تو پھر اللہ میاں کے کیا معنی ہیں؟ یا رکھئے! جہاں متعلقہ لفظ بدلتا ہے وہاں معنی بدل جاتے ہیں۔ ”نساء“ کا ترجمہ دو عورتیں ہیں بشرطیکہ یہ رجال کے مقابلے میں ہوں اور جب ”ابناء“ کے ساتھ ”نساء“ کا لفظ آئے گا تو ترجمہ ہوگا دو بیٹیاں۔

قرآن مجید نے فرعون کے تذکرے میں کہا وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرو تا تھا اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور اب وہاں لفظ ”نساء“ بیٹوں کے معنی میں آیا ہے ”ابناء“ کے مقابلے میں.....

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

یاد رکھئے گا یہاں پر بھی چونکہ ”ابناء“ کے ساتھ آ رہا ہے اس لئے ترجمہ ہے بیٹیاں۔ رسول ڈالنے جا رہے ہیں جھوٹوں پر لعنت..... چنانچہ سب نے لکھا کہ بیٹی گئی تو ایک

لفظ جمع کا ہے یعنی دو بیٹیاں۔ فرض کریں کہ اگر ہیں چار اور گئی ایک تو جھوٹ تو وہیں ثابت ہو گیا۔ (میری بات پر غور ہے یا نہیں!) ہے جمع کا صیغہ لیکن گئی ایک بیٹی۔ اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر آج نہیں تو پھر بالکل نہیں اور ماشاء اللہ اتنے جانثار ہیں لیکن کوئی پیغمبر کی جان بن کر نہیں جاسکا۔ جان پیغمبر بن کر اگر کوئی گیا تو وہ ہے صرف اور صرف ایک علی..... اس میں بھی کسی کو کوئی اختلاف نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم نے اتنی احتیاط برتی کہ چونکہ جھوٹوں پر لعنت کرنے جا رہے تھے اس لئے جس ترتیب سے آیت نازل ہوئی تھی اسی ترتیب سے نکلے۔ ”ابناء“ پہلے آیا تو حسنین کو آگے رکھا پھر ہے ”نساء“ تو سیدہ کو پیچھے رکھا پھر ہے ”انفسنا“ تو سب سے آخر میں مولا علی کو رکھا حالانکہ سب سے بڑا میدان ہے میدان مہلبہ۔ یہ جو خیر خندق وغیرہ کی جنگیں ہیں ان کو میں مہلبہ کے مقابل نہیں سمجھتا اس لئے کہ ان کو تو شعراء نے بھی ان الفاظ میں پیش کیا۔  
خبر میں قتل مرحب بھلا کوئی قتل تھا  
پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے

توجہ ہے یا نہیں!

اصل میدان جنگ وہ ہوتا ہے جہاں نظریات کی فکر ہو جہاں دو روحانیتیں آپس میں ٹکرائیں۔ تو وہ صرف ایک میدان تھا جس کو مہلبہ کہا جاتا ہے۔ ادھر سے کرچین تھے اور ادھر سے سرکار دو عالم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں ہے اور تین ایک میں ہیں یعنی ایک تین میں ایک میں..... عیسیٰ، مریم، روح القدس اور یہاں قرآن کی آیت اتر آئی:

قل هو الله احد

”میرے حبیب! ان سے کہہ دے کہ اللہ احد ہے۔“

گویا اللہ کے ”احد“ ہونے کے عیسائی قائل نہیں تھے اور لفظ ”احد“ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اردو زبان میں لفظ احد کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میں اس کا ترجمہ ”ایک“

کروں تو کوئی ترجمہ نہیں بنتا اس کا۔ اس لئے کہ ایک اسے کہتے ہیں کہ جو دو نصف (Half) کے ملنے سے بنتا ہے اور اللہ اس کا ہرگز نہیں کہ دو "Half" "Half" ملے اور ایک ہو گیا یا دو کو اکٹھا کریں تو ایک بنتا ہے تو اللہ نہ دو کا آدھا ہے اور نہ دو آدھوں کا مجموعہ ہے۔ پھر میں کیسے ترجمہ کروں احد کا ایک.....! اس لئے معصومؑ نے ارشاد فرمایا:

”احد کی تعریف کیا؟ وہ ایسا احد ہے کہ بغیر عدد کے احد ہے۔“ (صلوٰۃ)

استوا!

میری باتوں سے گھبرا تو نہیں رہے میری کوشش یہ ہی ہوگی کہ متواتر دس دن میں آپ کو ایمان کے چشمے تک نسیم کی حیثیت سے اس طرح پہنچا دوں کہ خاروں سے دامن تار نہ ہو جائے۔ (صلوٰۃ)

زیرانِ محترم و بزرگانِ گرامی!

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تین دن تک بحث ہوتی رہی کہ خدا ایک ہے لیکن! اور یہ پوری سورت ”قل هو اللہ“ پیغمبر اکرمؐ نے سنا دی لیکن تین دن تک ان پر آیات قرآنی اور سورۃ توحید کا کچھ اثر نہ ہوا تو اللہ کو کہنا پڑا اب بھی علم آ جانے کے بعد بھی اگر کوئی کلمہ بھٹی سے کام لے تو اس سے کہہ دو تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں گے تم اپنی بیٹیوں کو لاؤ ہم اپنی بیٹیوں کو لاتے ہیں تم اپنی جانوں کو لاؤ ہم اپنی جانوں کو لاتے ہیں مستقل قرار دے دیں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے یہ کلیہ بتا دیا کہ اگر آیات قرآنی سے مسئلہ حل نہ ہو اور تلاوت قرآن سے کام نہ چلے تو قرآن اسے لعنت سے حل کرتا ہے۔ (نعرۃ بکبیر، نعرۃ رسالت، نعرۃ حیدر)

جھوٹوں پر خدا کی لعنت..... گئے تھے کل پانچ، حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ سرکارِ دو عالم جب دیکھ رہے تھے کہ یہ بڑے بڑے نصاریٰ، بڑے بڑے راہب، بڑے بڑے زاہد جن کے تقویٰ و تقدس کی دھوم تھی۔ یہ ریشمی لباس پہنے ہوئے سونے چاندی کی صلیبیں لٹکائے ہوئے ریشمی خیمے چاندی سونے کے کیلوں کے شہر زمین پر نصب ہیں۔ (توجہ چاہتا ہوں) اور پیغمبر جارہے ہیں ایسے عالم میں کہ ایک نواسے کو گود میں لیا ہوا ہے اور ایک کو انگلی تھمائی ہوئی ہے اور چلے جا رہے ہیں۔ یا رسول اللہ! ماں باپ بھی تو ہمراہ ہیں ان کے بیٹوں کو ان کے

سالمین!

اعداد کہتے ہیں کسی چیز کو تقسیم کر دینا..... اعداد کا مطلب ہے شمار کرنا، جب چیز بہت ساری ہوئی تو شمار میں آ جائے گی۔ تو معصومؑ فرماتے ہیں کہ ایسا احد جو ناقابلِ تقسیم ہے ایسی اکائی کا نام ہے جو تقسیم نہ ہو سکے یعنی اللہ اور اس کے مقابلے میں ایک اور لفظ ہے احد۔ واحد اس کا نام ہے جو تقسیم ہو جاتا ہے۔ (توجہ کیجئے گا!) جو تقسیم ہو جاتا ہے اور واحد ہے کہ جب لفظ ”وحدہ“ آتا ہے تو اس کے ساتھ ایک لفظ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے یعنی وحدہ لا شریک لہ۔ (میری بات پر غور ہے صاحبان!) گویا واحد اس ایک کو کہتے ہیں جو دو کا مجموعہ ہو یا دو کا آدھا ہو جو تقسیم ہو جائے اسے کہتے ہیں واحد اور جو ناقابلِ تقسیم ہو اس اکائی کو کہتے ہیں احد۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اپنا تعارف کروایا تو فرمایا:

قل هو اللہ احد

جب نبیؐ نے اپنا تعارف کروایا تو فرمایا:

انا و علی من نور واحد

(نعرۃ حیدری۔ مل کے صلوٰۃ پڑھیں با آواز بلند)

جائے..... مگر پیغمبرؐ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں، پیغمبرؐ سمجھ رہے تھے کہ اگر میں نے بچوں کو ماں باپ کے حوالے کیا تو آنے والا متعصب مورخ یہ کہے گا کہ میدان مہلبہ میں بچوں کا جانا کوئی امر کمال نہیں۔ بچوں کی فطرت ہے کہ جہاں ماں باپ جائیں بچے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ماں کے حوالے کروں گا نہ باپ کے، ایک کو گود میں اٹھاؤں گا اور ایک کو انگلی پکڑا کر لے جاؤں گا، تاکہ صفحہ ہستی پر یہ لکھ جاؤں کہ یہ جھوٹوں کے مقابلے میں بحکم خدا لائے گئے ہیں، ماں باپ کے ساتھ نہیں آئے۔ (نعرہ حیدری)

سامعین

عجیب بات ہے کہ وہ شیر خدا، میرا مولاً جو ہر میدان میں ہمیشہ آگے آگے نظر آیا۔ آپ ہی بنا دیجئے! دعوت ذوالعشرہ سے چلئے، ہر جگہ میرا مولاً آگے آگے ہے۔ بدر میں علیؑ آگئے، احد میں علیؑ، خیبر میں علیؑ آگئے، خندق میں علیؑ آگئے، حنین میں علیؑ آگئے۔ جتنی جنگیں گزری ہیں کچھ میں نے گنا دیں، کچھ آپ یاد کر لیں، ہر جگہ علیؑ آگے اور آج جو سب سے بڑا میدان ہے اس میں علیؑ سب سے پیچھے اس لئے ہیں کہ خداوند عالم یہ دیکھ رہا تھا اور پیغمبرؐ کی نگاہیں بھی یہ دیکھ رہی تھیں کہ اگر علیؑ کو میں نے آج آگے رکھا تو آنے والا مورخ لکھ جائے گا کہ کیسے شکست نہ مانتے بچارے راہب رسولؐ نے علیؑ جیسا پرہیزگار جرنیل جو آگے رکھا ہوا تھا، لہذا جو سب سے آگے رہا اسے سب سے پیچھے لے کر جاؤں گا۔ ایک تو آیت کی عملی تفسیر ہو جائے گی اور دوسرے میں صفحہ روزگار پر یہ بھی لکھ جاؤں کہ میدان مہلبہ علیؑ کے رعب نے فتح نہیں کیا، بلکہ بچوں کی صداقت نے فتح کیا ہے۔ (نعرہ حیدری)

اب جیسے ہی بچوں پر ان راہبوں کی نظر پڑی تو انہوں نے بچوں کے بارے میں کہا، ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں ایسا نور دیکھ رہے ہیں ان چہروں پر کہ اگر یہ اشارہ کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں، لہذا ان سے مہلبہ نہ کرنا اور یہ کہہ کر جتنے بھی نصاریٰ تھے پیچھے ہٹ گئے۔ تو آپ فرما دیجئے! اور میں تمام مورخین سے بھی پوچھتا چاہوں گا کہ اس

دوران میں جھوٹے کون نکلے، نصاریٰ..... (توجہ ہے یا نہیں!) اور سچے کون نکلے، یہ پانچ!.....  
خدا نے کیا کہا:

”اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور بچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

تو سچے نکلے یہ پانچ اور نصاریٰ نکلے جھوٹے اور قرآن مجید میں ہے کہ ہم جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں گے۔ (ٹھیک ہے نا!) میں پورے عالم اسلام سے پوچھتا ہوں کہ قرآن کی روشنی میں نصاریٰ جھوٹے نکلے، مگر اسلام کا کوئی فرقہ جو ان پر لعنت بھیجتا ہو۔ بتائیے! کوئی لعنت بھیجتا ہے نصاریٰ پر!..... حالانکہ جب وہ جھوٹے نکلے تو قرآن مجید میں تھا۔

جھوٹوں پر خدا کی لعنت نازل ہو تو پھر جب وہ جھوٹے نکلے تو پھر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ کیوں نہیں ہر فرقہ اسلام لعنت کرتا؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے ان سے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ (توجہ ہے یا نہیں!) وہ ان پانچوں کے مقابلے میں آنے سے ہٹ گئے۔ بس یاد رکھئے! جو ان بچوں کے مقابلے میں آنے سے ہٹ گیا، وہ سمجھو کہ لعنت سے بچ گیا اور جو بد بخت ڈٹ گیا..... (وہ لعنتی ہے..... صلوٰۃ)

توجہ ہے میرے معزز سامعین!

یاد رکھئے گا کہ جہاں لفظ اپنا آتا ہے وہ مرکز محبت ہو جاتا ہے اور پیغمبرؐ نے ان پانچوں کے ساتھ لفظ اپنا لگا کے بتایا کہ میری محبت کے مرکز کو پہچانو۔ یہ میرے بیٹے ہیں حسن اور حسینؑ۔ اور دوستان محترم! بس آج کا بیان میں یہیں پر سینٹا ہوں۔ دکھ ہے تو اسی بات کا، تکلیف ہے تو اسی بات کی کہ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ محبت فطری چیز یعنی اگر آپ کے بیٹے کا بیٹا ہو گیا، بیٹی کا بیٹا ہو گیا تو آپ یقین فرمائیے کہ اپنے بیٹے سے بھی اس سے زیادہ محبت ہو جائے گی، اس لئے کہ بیٹا صرف اپنا ہے اور وہ اپنے کا اپنا ہے..... (توجہ ہے یا نہیں!) محبت جب اپنے کے اپنے تک پہنچتی ہے تو اس کے اندر عجیب و غریب کیف پیدا ہو

ہمارے رسول!!! تو ہمارے رسول کہنے کا لطف صرف وہی لے سکتا ہے جو ہمارے کے ہمارے سے بھی محبت کرے۔

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

اور جنہیں رسول اپنا کہے.....! کیا محبت کا یہی تقاضا تھا کہ دونوں کی قسمت میں تیر لکھ دیئے گئے۔ جو بڑا اپنا تھا اس کی قسمت میں بھی تیر اور جو چھوٹا اپنا تھا اس کی قسمت میں بھی تیر فرق صرف اتنا تھا نا کہ ایک کے جنارے پر تیر تھے اور دوسرے کا جنازہ تیروں پر تھا۔ میرا ہوا امام ارشاد فرماتا ہے:

”میرا سلام ہو اس جد مظلوم پر جو زمین پر تھا نہ زمین پر تیروں پر جنازہ معلق ہو گیا تھا۔“

عزیزان محترم!

لیکن خدا کی قسم! جنہوں نے انہیں رسول کا اپنا سمجھا ایسے ایسے چاہنے والے بھی تھے ایسے محبت کرنے والے بھی تھے کہ جن کی تازہ تازہ شادی ہوئی تھی۔ تازہ تازہ شادی! ہاتھوں میں اسی طرح مہندی لگی ہوئی تھی اور دلہن بھی ساتھ اس کے ہاتھوں پہ بھی اسی طرح مہندی۔ لیکن چلتے چلتے جب جنگل میں سیاہ رنگ کے خیمے دیکھے تو ایک دم کہا، یہ کس کے خیمے ہیں! بے آب و گیاہ میدان میں آن ٹھہرا ہوا ہے۔ پتہ تو کریں ذرا! دونوں میاں بیوی وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ نواسہ رسول ہیں وطن چھوٹ گیا، نانا کا مزار چھوٹ گیا، ماں کی قبر چھوٹ گئی اور اب جنگل میں آ کر ڈیرے لگا دیئے۔ تو وہ دولہا اپنی تازہ بیاہی ہوئی دلہن سے کہتا ہے! آ! میں تجھے واپس تیرے میکے نہ چھوڑ آؤں کہ میں اب نواسہ رسول کے قدموں سے الگ نہیں ہو سکتا اور وہ جواب میں کیا کہتی ہے؟ سنو دوستو! دلہن کہہ رہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم تو نواسہ رسول کی خدمت میں رہو اور میں جنگل میں نبی زادوں کو اکیلا چھوڑ

کر چلی جاؤں..... خدا کی قسم! جن کے دلوں میں محبت رسول تھی، انہوں نے محبت کا حق ادا کیا۔ حتیٰ کہ سرکار سید الشہداء نے دولہا کی ماں سے فرمایا، تم دولہا اور دلہن کو لے کر چلی جاؤ۔ تو اس نے کہا، آپ صحیح کہتے ہیں، میں چلی جاتی ہوں لیکن صرف اتنا بتا دیں کہ قیامت کے دن آپ کی ماں مجھ سے پوچھ بیٹھی کہ میری اولاد کو کہاں چھوڑ کر چلی گئی تھی، تو میں کیا جواب دوں گی؟ بس اتنا بتا دیں مجھے!

عزیزان محترم!

یہ وہ تھے کہ جن کے دل میں رسول کے انہوں کی محبت تھی اور خدا کی قسم! یہی دولہا جب میدان میں گیا ہے تو ظالموں نے اس کا سر قلم کیا اور سر قلم کرنے کے بعد وہ سر خیموں میں پھینکا۔ جب وہ سر اس کی ماں کے سامنے آ کر گرا تو خدارا! بتائیے کہ ماں کا کیا حال ہوتا چاہئے تھا؟ مگر کہاں ایسی مائیں پیدا ہوں گی جو کربلا میں رب العزت نے پیدا کر دی تھیں۔ خدا کی قسم! اس ماں نے اپنے بیٹے کے سر سے دو تین افراد کو مار مار کر جہنم واصل کر دیا۔ اس نے کہا کہ میرے بیٹے کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں کہ اگر نبی زادیاں اور فاطمہ کلالہ اس طرح جنگل بیابان میں پریشان ہو۔

عزیزان محترم! بزرگان گرامی!

اسی طریقے سے کیسے کیسے قدر دان تھے کہ جن کے دل میں پیغمبر کی محبت تھی..... زہیر قین کا ایک بھائی تھا، علی ابن قین، وہ بھی پہنچ گیا وہاں اس کی دلہن بھی اس کے ساتھ تھی۔ ہاتھوں میں اس کے بھی مہندی لگی ہوئی مگر خدا کی قسم محبت کا حق ادا کر دیا۔ مولا حسین نے کہا، علی ابن قین! تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے تم چلے جاؤ۔ کانپتے ہوئے جواب میں کہتا ہے مولا!!!..... کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں یا مشورہ؟ اگر حکم دے رہے ہیں تب تو

کے پیچھے سر چھپایا بی بی ام کلثومؑ نے ان کے پیچھے سر چھپایا۔ ساریاں شہزادیاں ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگ گئیں اور جو ساڑھے تین سال کی شہزادی تھی اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے کہ ہمیں چچا مختار اس طریقے سے دیکھ نہ پائے۔ مختار کو زنجیروں میں جکڑا ہوا لایا گیا مگر مختار ابن زیاد سے منہ موڑ کے کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگے مختار امیر کو سلام کر۔ مختار نے کہا 'بکواس نہ کر یہ میرا امیر نہیں ہے۔ اس نے کہا 'تیرا امیر کون ہے؟ وہ چونکہ جیل سے آ رہا تھا چنانچہ کہا 'میرا امیر تو کہیں آرام کر رہا ہوگا اللہ مجھے اس کی زیارت کروائے گا۔ اتنے میں ابن زیاد نے یہ کہا کہ جس امیر سے تو اتنی محبت کا اظہار کر رہا ہے اگر میں اسے تمہیں یہیں ملا دوں تو بول مجھے کیا انعام دے گا؟ مختار نے انگڑائی لی تو جھکتا ہوا کھل گئیں سپاہی کی تلوار پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا 'خبردار! تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تیرے نجس دستوں میں میرا معصوم امامؑ کیسے آسکتا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر میں یہیں ملا دوں تو.....! مختار نے کہا 'اپنی نجس زبان کو روک! خبردار! میرے امیر کا نام ہرگز نہ لینا۔ اب یہ جملے سنتے ہی اس نے اچانک طشت سے رد مال بنا دیا جیسے ہی مختار کی نظر مولاً کے سر پر پڑی ایک دم کا پتی ہوئی آواز سے کہنے لگا:

”السلام علیک یا بن فاطمة الزہراء! السلام علیک یا ابا

عبداللہ الحئین!

میرے شہنشاہ! اس عالم میں تو اس نجس دربار میں کیسے آ گیا؟ سپاہی سے تلوار چھین کے حملہ کرنا چاہا تو دربار میں ہلچل مچ گئی پیچھے سے بیڑیاں بلیں زنجیریں ملیں کسی نے دامن کھینچا۔ مختار نے کہا 'کون ہے؟ چھوڑ دے میرا دامن۔ ایک دم کانپتی ہوئی آواز آئی چچا مختار! جنگ نہ کرنا پھو پھیاں میرے ساتھ ہیں۔



برے قدموں سے جدا نہیں ہوں گا۔ کہا 'اچھا چل پھر اس طرح کر یہ تو تیری بیوی ہے یہ نئی بلی دلہن بنی ہے ساتھ ہی تو اس کا گاؤں ہے اس کو وہاں میکے چھوڑ آ۔ چنانچہ وہ گیا اور اپنی بیوی سے باتیں کیں آ! تجھے میں تیرے میکے چھوڑ آؤں۔ اس نے کہا 'تو کیا کرے گا؟ علی بن قین نے کہا 'میں نواسہ رسولؐ کے قدموں پر جان دوں گا۔ یہ سننا تھا کہ وہ دلہن دوڑی شہزادی زینبؑ کا جو خیمہ تھا اس کے دروازے پر ایک لکڑی لگی ہوئی تھی دلہن دوڑی اس نے ہٹا ہاتھ لکڑی پر دے مارا ہاتھ پھٹ گیا۔ اس کا پورا بدن لہو لہان ہو گیا اور جیسے ہی نبی زادیوں کو چلا شہزادیاں دوڑیں اور اس سے کہا 'دلہن یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا 'مجھ سے نہ پوچھو علی ابن قین سے پوچھو۔ کیا اس نے مجھے اتنا ہی گرا ہوا سمجھا ہے کہ وہ رسولؐ کے لئے کی عظمت کرے اور میں آپؐ کا دامن چھوڑ کر اپنے میکے چلی جاؤں.....

تھے وہ لوگ کہ جنہوں نے محبت کا حق ادا کیا۔

عزیزو!

خدا شاہد ہے کیسے کیسے کیسے محبت کرنے والے تھے۔ میں کہتا ہوں یہ زیادتی ہوگی کہ اگر میں ایک اور عاشق کا تذکرہ نہ کرتا چلوں۔ وہ عاشق ایسا تھا جو باہر نہیں تھا قید میں تھا مگر حسینؑ کے عشق میں اس کا دل معمور تھا نام اس کا مختار تھا۔ وہ بیچارہ قید میں تھا اور اسے کچھ بھی علم نہیں کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ کاروان آل محمدؐ جب ایک ملعون کے دربار میں کھڑا تھا اور سرکار سیدالساجدینؑ تھر تھر کانپ رہے تھے تو اس نے مزید دل دکھانے کے لئے کہا 'ان کا تماشا دکھانے کے لئے ان کا جو ایک بہت بڑا محبت اور عاشق مختار ہے اس کو زنداں سے لاؤ۔ جب مختار کا نام آیا تو علیؑ کی بیٹیوں کے دل گھٹنے لگے۔ ہائے! ہمارا مختار ہمیں اس طرح

## مجلس سوّم

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي

حضرات محترم!

خداوند عالم آپ کے اس جذبہ عشق کو سلامت رکھے!

خدا بحق محمد و آل محمد آپ کی اس عبادت کو قبول فرمائے اور اس کے صدقے میں جس جس کی جو حاجتیں ہیں، جو تمنائیں ہیں، بارگاہ ایزدی میں منظور ہوں۔ بالخصوص برادر محترم محمد عباس قتی اور دیگر بیماروں کو خداوند کریم شفاءِ کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے..... تمام مومن قیدیوں کو قید سے رہائی نصیب ہو۔

اس وقت آپ سے نہایت ادب سے گزارش ہے کہ سلسلہ بیان آپ کے اذہان عالی میں یقیناً محفوظ ہوگا..... خداوند قدوس نے اپنے لطف و کرم سے ہمیں جو مولاً عطا فرمایا، جو مرشد دیا، جو پیر دیا، وہ معصوم عن الخطا عطا فرمایا، ایسی مظہر العجايب شخصیت سے نوازا، جو متضاد واقعات کا حامل ہے، کسی ایک شخص میں متضاد صفتیں جمع نہیں ہوتیں..... آج میرے

لئے گفتگو ذرا مشکل ہے کہ میرے استاد محترم مولانا عبدالغفور صاحب قبلہ جن سے میں نے جامعہ امامیہ لاہور میں عربی تعلیم حاصل کی تھی، میرے سامنے تشریف فرما ہیں۔ امام حسن جیسا لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والا امام بھی جب دورانِ تقریر اپنے بزرگوں کی خوشبو سونگھ لیتا تھا تو اس کی زبان مقال بھی یہ پکار اٹھتی تھی..... میری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی، شاید میرا آقا مجھے دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ تو امام معصوم تھے، پھر بھی فرما رہے ہیں کہ میری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی، تو میرا تو ان سے کچھ تقابل ہی نہیں، وہ معصوم تھے علم لدنی کے حامل تھے، میں تو خاکی ہوں اور جاہل ہوں، نہ لعاب دہن رسالت سے میری تربیت ہوئی، نہ خاتونِ جنت کے شیو مبارک سے مجھے غذائی، نہ باب مدینہ العلم کے سینے کا قرآن مجھے درس ملا، نہ حاملِ وحی کے گہوارۂ تربیت میں میری تربیت ہوئی۔ اندریں حالات ایک استاد کی موجودگی میں ایک شاگرد کیا بیان کر سکتا ہے، میں تو اگر انہیں کا پڑھایا ہوا سبق سنا دوں اور صحیح صحیح سنا دوں تو یہی میری شاگردی کی معراج ہوگی۔ (ایک صلوات پڑھئے با آواز بلند!)

بزرگان محترم!

میں گزارش کر رہا تھا کہ ہماری یہ مجلس چونکہ ہر قسم کے افراد پر مشتمل ہے اس میں شیعہ بھائی بھی ہیں، برادرانِ اہل سنت بھی، ہر مکتبہ فکر کا آدمی یہاں بیٹھا ہے اور مجھے ہر ایک کے جذبات کا احساس کر کے گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ میری کوشش یہ ہوگی کہ میں آپ سب کو اس طرح ایمان کے چمن تک لے جاؤں کہ خاروں سے دامن تار تار ہرگز نہ ہوں، جبکہ پھولوں سے جھولیاں بھر پور ہو جائیں..... جو بھی اس مجلس عزاء میں آ کر بیٹھتا ہے وہ ہمارا مہمان ہوتا ہے، وہ حسین ابن علی کا مہمان ہوتا ہے اور حسین ابن علی تو اپنے قاتل کا بھی دل نہیں توڑتے۔ لہذا اگر علمی اعتبار سے گفتگو ذرا گہری ہو جائے تو چاہوں گا کہ آپ ذہنی طور پر میرے ہم سفر رہیں۔ میں گزارش یہ کر رہا تھا کہ ایک انسان میں دو متضاد چیزیں بڑی مشکل سے اکٹھی ہوتی ہیں، نظر ہی نہیں آتی۔ مثلاً ایک شخص ہے جو بہت بڑا عالم ہے، لیکن جتنا بڑا

عالم ہے اتنا بڑا پہلوان نہیں ہوگا۔ جبکہ ایک شخص بہت بڑا عابد ہے، لیکن جتنا بڑا وہ عابد ہے اتنا بڑا وہ سخی نہیں ہوگا، لیکن اللہ نے جس مولاً کا دامن ہمارے ہاتھوں میں دیا ہے وہ میدان علم میں خلیب منبر سلونی ہے تو میدان جنگ میں لافنی نظر آتا ہے۔

ابن الحدید نے شرح نوح البلاغہ میں میرے مولاً کے بارے میں ایک عجیب و غریب جملہ لکھا ہے، حالانکہ ابن الحدید شیعہ نہیں ہے، معتزلی ہے، مگر کہتا ہے، میں نے کائنات میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شخصیت وہ واحد شخصیت دیکھی ہے کہ آج تک کسی مورخ کو پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس حلیے کا انسان تھا؟ اس لئے کہ ہر طرح کا مورخ علیؑ آقا کی بارگاہ میں پہنچا درودت پر پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ یہودیوں کے باغ میں مزدوری کر رہا ہے وہاں پہنچا دیکھا کہ ایک مزدور ہاتھ میں کھریا اور درانتی لئے، گرو و پیش کی پرواہ کئے بغیر درخت کو کوڑی دینے میں مصروف ہے۔ جبکہ بڑے بڑے دانشور اور صاحب تاج و تخت بھی اس انتظار میں ہیں کہ علیؑ فارغ ہوں تو ان سے اپنے پیچیدہ مسائل کا حل کروائیں۔ جبکہ علیؑ کہتے ہیں، یہ میرا بکا ہوا (مزدوری میں) وقت ہے اور میں امانت میں خیانت نہیں کرتا، لہذا جب تک میں فارغ نہیں ہو جاتا، تم میرا انتظار کرو۔ اب مورخ نے حالت مزدوری میں دیکھا کہ چہرے پر مسکینی برس رہی ہے، آستینیں چڑھی ہوئی ہیں، سر میں خاک ہے۔ اس نے آکر اسی طرح کا حلیہ لکھ دیا کہ علیؑ مذکورہ حلیہ کا ایک مزدور ہے۔

سامعین!

اب ایک اور مورخ پہنچ گیا کہ میں دیکھوں علیؑ کا حلیہ کیا ہے؟ پتہ چلا کہ علیؑ مسجد میں مصروف عبادت ہے، وہ مسجد میں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نمازی سجدے میں اس طرح مستغرق ہے کہ اس کی پنڈلی کی بڈی میں ایک تیرا پار ہوا ہے۔ نماز سے پہلے نکالنے کی کوشش کی تو بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی، پیغمبرؐ نے کہا کہ نہ نکالو، لیکن جب علیؑ سجدے میں گیا تو تیر کھینچ لیا گیا اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ چنانچہ مورخ نے لکھ دیا کہ علیؑ اس حلیے کا

ایک خدا پرست نمازی ہے۔ اب اللہ رب العزت کو بھی کہنا پڑا کہ سجدے پہ سجدے کئے جا رہے ہو، نماز پہ نماز پڑھے جا رہے ہو۔ (پڑھے لکھے حضرات بیٹھے ہیں یہ جملہ ان سے دارِ لطافت لینے کے لئے کہہ رہا ہوں) اتنی عبادتیں جمع کر کے کیا کر دو گے؟ جاؤ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ضرب لگا کر حاصل ضرب ثقلین کی عبادت سے بڑھانہ دوں تو اللہ میرا نام نہیں۔

حضرات محترم!

چنانچہ اس مورخ نے لکھ دیا کہ علیؑ اس حلیے کا انسان ہے۔ اب ایک اور مورخ پہنچ گیا، اس نے کہا کہ میں بھی دیکھوں کہ علیؑ کس حلیے کا انسان ہے؟ پتہ چلا کہ وہ مگر کوفہ پر خطبہ دے رہا ہے۔ وہ مسجد میں پہنچ گیا، علیؑ خطبہ دے رہے ہیں۔ کائنات ہمہ تن گوش ہے، ہوائیں رک رک کے سن رہی ہیں، ستارے جھک جھک کے دیکھ رہے ہیں، ارواح انبیاءؑ سمٹ کر قریب آگئی ہیں، موسیٰؑ دیکھ رہے ہیں، عیسیٰؑ ملاحظہ کر رہے ہیں، یعقوبؑ مشاہدہ کر رہے ہیں، یوسفؑ سکتے میں کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ دیکھو! قبل اس کے کہ میں چلا جاؤں، میں اعلان کر رہا ہوں، سلونی، سلونی، سلونی، پوچھو لو جو پوچھنا ہے، جو دل میں آئے، اور جی چاہے پوچھو! مگر افسوس کہ کسی نے نہ پوچھا۔ اتنے میں ایک یہودی کھڑا ہو گیا، کہنے لگا، مولاً! ذرا یہ فرما دیجئے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو کیسے بنایا؟ تخلیق کیسے کی؟ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے سائنس دان اس کری ایشن (Creation) کے بارے میں آج تک بے خبر ہیں اور حیرت میں غرق ہیں کہ کائنات کیسے بنی؟ اس وقت میرے مولاً نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا، اس نے زمین و آسمان جتنا ایک میٹر (Matter) تیار کیا، مادہ بنایا..... پھر اس پر نظر ڈالی، وہ جلالت الہی سے پانی پانی ہو گیا..... جب پانی پر اس کی نظر پڑی تو وہ اٹلنے لگا..... اس سے بخارات اٹھے، جھاگ پیدا ہوئی، جھاگ سے زمینوں کو بنانا چلا گیا، بخارات سے آسمان کو بنانا چلا گیا۔ (نعرۂ حیدری)

## زیرِ انِ محترم!

پھر ارشاد فرمایا: اللہ نے تیسرا آسمان بنایا، جس کا نام ”ماعون“ رکھا۔ اس کا فاصلہ اس کی پانچ سو سال کی راہ جتنا ہے۔ پھر مولانا نے فرمایا: اللہ نے اس میں اتنے ستارے اور ہمارے بنائے ہیں اور ہر ستارے اور سیارے میں اتنے فرشتے بنائے ہیں کہ وہ ریت کے دروں بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ جس عالم میں کوئی فرشتہ پیدا کیا گیا وہ اسی عالم میں محو عبادت ہے، جو رکوع میں پیدا کیا گیا وہ رکوع میں رہے گا، جو سجدے میں پیدا کیا گیا وہ سجدے میں رہے، جو قیام میں ہے وہ قیامت تک قیام میں رہے گا، مگر پھر بھی قیامت کے دن کہیں گے:

”یا اللہ! ہم نے تو ابھی تمہاری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کیا اور قیامت آگئی۔“

پھر اللہ نے چوتھا آسمان خلق فرمایا، اس کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کی راہ جتنا ہے۔ پھر پانچواں آسمان بنایا، اس کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کی راہ جتنا ہے۔ پھر چھٹا آسمان بنایا، اس کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کی راہ جتنا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اس کے اوپر ایک بہت بڑا خلا ہے کہ تم اس کی وسعت کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس خلا کے اوپر ایک سرمئی رنگ کا بادل ہے۔ آج کے جدید ترین سائنسدانوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جب کائنات کی تخلیق ہوئی تھی اور اس تخلیق سے جو دھماکہ ہوا تھا اور اس دھماکے سے جو بادل پیدا ہوا تھا، سائنس نے اسے دریافت کر لیا ہے، لیکن پتہ نہیں چل سکا کہ وہ بادل کتنا وسیع ہے۔ لیکن میرے مولانا نے بغیر کسی لیبارٹری میں گئے ہوئے اور بغیر کسی سائنسی تجربے کے منبر سلونی پر چودہ پندرہ سو سال پہلے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا دیا تھا، اس بادل کی لمبائی چوڑائی اتنی ہے کہ جتنا پہلی زمین اور ساتویں آسمان کا فاصلہ۔ (صلوٰۃ)

پھر ارشاد فرمایا: اللہ نے پہلی زمین اور پہلا آسمان تیار کر دیا۔ اس پہلی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی نظر کا فاصلہ ہے۔ نظر کا فاصلہ کیا ہے؟ روشنی.....! ایک لاکھ چھیالیس ہزار دو سو چالیس میل فی سیکنڈ کے حساب سے آنکھ کی نظر جو فاصلہ طے کرتی ہے اس کو سائنس کی اصطلاح میں ”لائٹ ایئر“ کہتے ہیں، روشنی کا سال۔ فرماتے ہیں: پانچ سو سال روشنی کا فاصلہ۔

اس یہودی نے پھر پوچھا: مولانا! بیان میں ذرا اضافہ فرمائیں۔ کیا وہ کوئی ٹھوس چیز ہے کہ پہلی زمین اور آسمان میں نظر کا فاصلہ ہے.....  
ارشاد فرمایا: ”صمو“ سے مشتق ہے۔ صمو بلندی کی ایک حد کا نام ہے، اس حد کو پہلا آسمان کہتے ہیں۔ پانچ سو سال کا فاصلہ.....!

سامعین!

مولانا کائنات کا وہ واحد انسان ہے نہ جس نے اس حد کا فاصلہ اور آسمان کا نام بتایا، یعنی قیامت میں خداوند عالم نے بہت سے فرشتے بنائے ہیں اور بہت سے ملائکہ پیدا کئے ہیں۔

پھر دوسرا آسمان بنایا، اس کا فاصلہ پہلے آسمان سے پانچ سو سال کی راہ جتنا ہے، اس کا نام ”قیدوم“ ہے۔ اس میں خداوند عالم نے ایک ایسا فرشتہ بنایا، جس کا آدھا جسم برف ہے اور آدھا آگ کا۔ درمیان میں ایک خط کھینچا ہوا ہے، مگر آگ برف کو پگھلاتی ہے نہ آگ کو بجھاتی ہے، قیامت تک وہ فرشتہ تسبیح پڑھتا رہے گا۔

اے وہ خدا! جس نے برف اور آگ کو ملا دیا ہے تو بندوں کے دلوں کو بھی اسی طرح ملایا کرتا ہے..... (توجہ ہے صاحبان محترم! بور تو نہیں ہو رہے آپ! مجالس امام مین کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معلومات میں اضافہ ہو اور ہمارے بچوں کو وہ چیزیں حاصل ہوں جو دنیا کی لائبریریاں کھگانے سے بھی بمشکل حاصل ہوتی ہیں۔)

ہوسکتا ہے کہ کوئی بچہ محسوس کر رہا ہو کہ یہ کس کتاب سے پڑھ رہا ہوں؟ اس کا حوالہ دیئے جاؤں، ”تفسیر رزق مشہور فی شرح آیہ نور“ اس میں آپ کو پوری تفسیر ملے گی۔ میں اس کا خلاصہ بیان کر رہا ہوں اور پھر اس سرمئی رنگ کے بادل کے اوپر میرے مولانا کے ارشاد کے مطابق مقام ”مرحوسا“ ہے۔ مقام مرحوسا کے اوپر سدرة المنتہی ہے اس کے اوپر جنت الماویٰ ہے اس کے اوپر جباب الحمد ہے اس کے اوپر جباب الحمد ہے اس کے اوپر جباب الکبریٰ ہے اس کے اوپر جباب الجبروت ہے اس کے اوپر جباب العزت ہے اس کے اوپر جباب الرحمت ہے اس کے اوپر جباب الرحمانیت ہے اس کے اوپر جباب رحمت ہے اس کے اوپر جباب سمت ہے اس کے اوپر کرسی ہے اور کرسی کے اوپر عرش معلیٰ ہے جہاں میرے اللہ نے میرے سردار کو بلا کر اس کی جوتیوں کو عرش کا تاج بنا دیا اور اس عرش کے اوپر ہے وہ پردہ معراج کہ جہاں پر اللہ مجھ علیٰ کے لہجے میں اپنے حبیب سے ہمکلام ہو رہا تھا۔ (نعرۂ حیدری)

میرے شیعہ سنی بھائیو!

آج سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے، لیکن یہ خلائی دنیا میرے مولانا کے خطبے سے باہر نہیں جاسکی..... وہ یہودی اسی وقت کھڑا ہو گیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا، میں رب موسیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں یا علی! یہ کائنات تیرے ہاتھوں سے بنی ہے یا تیرے سامنے بنائی گئی ہے؟ (نعرۂ حیدری)

توجہ ہے صاحبان!

چنانچہ جس نے میرے مولانا کو خطبہ پڑھتے دیکھا تو اس نے لکھ دیا کہ علیؑ اس طبع

کا انسان ہے اس طبع کا خطیب ہے اس طبع کا مقرر ہے..... ایک اور مورخ پہنچ گیا کہ میں بھی علیؑ کو دیکھوں کہ وہ کیسا انسان ہے؟ پتہ چلا کہ علیؑ میدان جنگ میں ہے۔ (بیٹھے او ایٹر گئے!) وہ مورخ میدان جنگ میں پہنچ گیا اور میدان جنگ ایسا کہ جہاں خندق کھدی ہوئی تھی اور اس کھودی ہوئی خندق کے اندر تاریخ کے مطابق مسلمان ایسے کھڑے تھے جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں.....

میں نیاز بیگ والوں کو کیا سمجھاؤں؟ آپ لوگ ماشاء اللہ زمیندار انسان ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ گائیں بھینسیں جب دو پہر کو چر چک کے کسی درخت کے نیچے کھڑی ہو جاتی ہیں تو چھوٹے چھوٹے پرندے لالیاں، کونے چڑیاں جو اللہ کی میوہل کمیٹی کے ارکان ہیں ان کے سروں پر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے سروں پر جو چند چیزیں پڑی ہوتی ہیں، اپنی چونچ سے چلتے رہتے ہیں اور حیوان حیوان ہو کر بھی اتنی سمجھ رکھتا ہے کہ اگر میں نے سر ہلایا تو پرندہ اڑ جائے گا لہذا یہ حیوان جگالی بھی کرتے رہتے ہیں اور سر بھی اسی طرح رکھتے ہیں۔ جبکہ تاریخ نے کہا کہ مسلمان میدان خندق میں اس طرح کھڑے تھے جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور قرآن نے پکار کر کہا:

”اس وقت کو یاد کرو کہ جب دل سینے سے نکل کر گلے میں پھنس گئے

تھے آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور تمہاری بدگمانیاں بڑھ گئی تھیں.....“

ایک شخص اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا خندق کو پار کر کے اندر آ گیا۔ صحابی کہنے لگے ہمارے خیال میں ہم نے خندق تو اس لئے کھودی تھی کہ کوئی باہر کا اندر نہ آسکے لیکن وہ اندر آ گیا..... میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت کے جتنے کلمہ پڑھنے والے تھے انہوں نے کہا ہوگا، بابا تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کدھر کو جا رہا ہے؟ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ کھڑے ہیں۔ وہ گھوڑا گزارتا گزارتا ایک ایک سے ہوتا ہوا خیمہ رسالت کے قریب پہنچا اور آواز دی، مسلمانو! تمہارا فلسفہ ہے کہ جو ہمارے ساتھ مقابلہ کر کے مارا جائے وہ شہید ہے اور جنت میں جائے گا، لیکن اگر زندہ بچ جائے تو بھی غازی ہے اور پھر بھی جنت

ہی میں جائے گا۔ یوں بھی جنت تمہاری اور یوں بھی جنت تمہاری.....!! عجیب فلسفہ ہے۔  
البتہ میں آج تمہاری جنت کو تلوار کی دھار پر رکھ کر کھڑا ہوں۔ اگر کسی میں ہمت  
ہے تو آئے اور اپنی جنت لے جائے۔ لیکن خدا کی قسم! سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رسول اکرمؐ نے  
ارشاد فرمایا:

”ہے کوئی اس کے مقابلے میں جانے والا۔“

میں نے تاریخ سے سوال کیا پھر کیا ہوا؟ تاریخ نے بتایا، کوئی نہ اٹھا۔ یعنی مورخ  
کو ان بڑے بڑوں میں سے کوئی بھی قہقہہ اٹھا کر رسولؐ کرتا ہوا نظر نہ آیا۔ ہاں البتہ جو عمر میں  
سب سے چھوٹا تھا اور جس کا نام علیؑ تھا وہ کھڑا ہو گیا۔ پیغمبرؐ نے کہا: بیٹھ جاؤ یا علیؑ۔ میرا  
مولانا بیٹھ گیا۔ پھر کیا ہوا؟ ہے کوئی جانے والا..... مگر کوئی نہ اٹھا۔ دوبارہ پیغمبرؐ کے سوال پر وہی  
بچہ اٹھا۔ پیغمبرؐ نے کہا: اب بھی بیٹھ جاؤ۔ تیسری مرتبہ پھر پیغمبرؐ نے فرمایا:

”جو اس کے مقابلے میں جائے گا میں اعلان کرتا ہوں کہ..... وہ میرا  
بھائی ہوگا، میرا جانشین ہوگا، میرا خلیفہ ہوگا، اللہ کا ولی ہوگا..... جاؤ  
تھا پہلے میں۔“

سامعین!

عجیب بات ہے دشمن کہہ رہا ہے کہ جنت لے جاؤ اور پیغمبرؐ کہہ رہا ہے کہ جاؤ اور  
میری خلافت لے جاؤ..... (بھئی توجہ چاہتا ہوں) کسی کو جنت یاد ہے نہ خلافت..... اگر اس  
نے کہا کہ ان میں سے تو کوئی آتا نہیں۔ اس نے خیمہ رسالت کے سامنے نیزہ گاڑ دیا۔ پیغمبر  
اکرمؐ نے کہا:

”ہے کوئی جو اس کتے کی زبان بند کرے۔“

نیاز بیگ میں جتنے سننے والے تھے وہ سب پیغمبرؐ کے قدموں میں گر گئے۔ سب  
نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ کل کائنات کے رسول ہیں۔ یہ دنیا کیا کہے گی کہ یہ پیغمبرؐ گالیاں

تا ہے آپؐ نے اسے کتنا کیوں کہہ دیا اور کسی کو تو آج تک آپؐ نے کتنا نہیں کہا! ابو جہل کو  
ابولہب کو؟ غرضیکہ جتنے بھی ابو تھے کسی کو کچھ نہیں کہا، سواں کو آپؐ کتنا کیوں کہہ رہے  
ہیں؟ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”دیکھو! میں وحی کے بغیر بولتا نہیں اور وحی خلاف حقیقت ہوتی نہیں۔

تم نے اس کی گستاخی کو نہیں دیکھا.....“

پیغمبرؐ کا یہ جملہ سنئے:

”اس نے میرے خیمے کے دروازے کے سامنے نیزہ گاڑ کر مجھے  
نیزے سے ڈرایا ہے اور یاد رکھنا جو بھی معصوم کے دروازے پر جا کر  
اس کو ڈرائے وہی کتا ہوتا ہے۔“ (نعرہ حیدری)

سامعین!

مورخ نے لکھا پھر بھی کوئی نہ اٹھا "Except"۔ اب پھر پیغمبرؐ نے بٹھایا نہیں  
علیؑ کو..... میں کہتا ہوں یا رسول اللہؐ! تین دفعہ بٹھا دیا، پہلی ہی دفعہ علیؑ کو بھیج دیتے۔ مگر پیغمبرؐ  
کی نگاہیں قیامت تک آنے والے حالات کو دیکھ رہی تھیں.....

اب میں کیا عرض کروں، مجلسیں پڑھے جاتے ہیں یہ جو بڑے بڑے ذاکر ہیں اور  
بانی مجلس ہے کہ ان کی منت سماجت بھی کرتا ہے، فیس بھی منہ مانگی دیتا ہے، مگر مجھ سے جو  
بچارے چھوٹے موٹے ہوتے ہیں ان کو نام ہی نہیں ملتا۔ لیکن اگر کوئی بڑا ذاکر ہلکی مجلس پڑھ  
جائے اور مجمع کے معیار پر پورا نہ اترے تو چھوٹے موٹے ذاکر کہتے ہیں:

”سانوں پڑھانڈے ناں تے فیر اسی مجھے نوں دسدے کہ کداں

پڑھدے ہاں۔“

محترم سامعین!

دوں تو کوئی کھڑا ہو کر یہ نہ کہہ دے، جناب آپ نے علیؑ کو پہلے بھیج دیا، اگر ہمیں بھیجے تو مانتے کہ کیسے لڑنا ہے۔ آخر میں پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو بلایا اور سینے سے لگایا۔ اپنا ہاتھ "باب" نامی عمامہ علیؑ کے سر پر رکھا، اپنی زرہ جس کا نام "فسول" تھا، علیؑ کے زیب تن کی۔ پھر جب امامت رسالت کے جلوے سے آراستہ ہو کر خراماں خراماں روانہ ہوئی تو نہ علیؑ نے کس ادا سے قدم اٹھائے کہ جب نگاہ رسالت قدموں پر پڑی تو زبان رسالتؐ کی:

"کل ایمان، کل کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے۔"

جیسے ہی رسالتؐ کی زبان سے نکلا کہ علیؑ کل ایمان ہے اور سامنے کل کفر ہے، تو نے صفحہ روزگار پر مہر لگا دی کہ علیؑ صرف آج ہی کل ایمان نہیں، قیامت تک کل ایمان اور قیامت تک جو بھی علیؑ کے مقابلے میں آتا جائے گا، اللہ کا یہ قانون کبھی نہیں بدلے

بازان محترم!

اب وہ ہم سے پوچھتی ہے کہ جب کہیں نعرہ رسالتؐ تو تمہیں جوش ہی نہیں آتا سب کہیں نعرہ حیدریؑ تو پوری قوت اور پوری طاقت سے نعرہ لگاتے ہو۔ بتاؤ اس کا سبب ہے؟ ہم نے عرض کیا، جناب اس کا سبب علماء تو عالمانہ انداز میں بیان کریں گے۔ میں تو مدید کا آدمی ہوں، میرے خیال میں اس کا سبب سائنس کا ایک قانون ہے کہ ہر جڑ بے اپنے کل کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے..... (توجہ کیجئے!..... نہیں میں سمجھا نہیں سکا)

وہ نیچے تو نہیں آئے گا، کیونکہ اس کے اندر ہے گیس اور گیس کا مرکز ہے اوپر وہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور قانون یہ ہے کہ کل اپنے جڑ کو کھینچ لیتا ہے..... شاید ابھی بھی

میں سمجھ سکا۔

بارش ہوتی ہے تو بارش کا قطرہ نیچے گرتا ہے اوپر کیوں نہیں جاتا؟

نیچے ہے سمندر..... وہ ہے اس قطرے کا کل..... کل اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جس کی تیلی جلاکس، شعلہ اوپر جاتا ہے نیچے کیوں نہیں آتا؟ اس لئے کہ کرہ نار اوپر ہے اور وہ اس کا کل ہے، لہذا وہ اپنے جڑ کو کھینچ رہا ہے.....  
توجہ ہے یا نہیں!

سائنس کے اس قانون نے ہم سے علیؑ کروا دیا، کیونکہ پیغمبرؐ نے اعلان فرما دیا کہ علیؑ ہے کل ایمان..... پیغمبرؐ نے ہمارے ہاتھ میں پیانہ دے دیا ہے کہ اگر مومن کی پہچان کرنی ہے تو کل ایمان کا نام لو۔ جس کا دل علیؑ کی طرف بے اختیار کھینچ جائے وہ مومن ہے اور جس کے چہرے پر دراڑیں آجائیں وہ غیر مومن کہلائے گا..... (نعرہ حیدری)

توجہ ہے صاحبان!

کل بھی میں نے ایک گزارش کی تھی، میں نے کہا تھا کہ نیاز بیگ والے ذاکر تو بڑے سریلے سنتے ہیں، جبکہ صلوٰۃ پڑھتے ہیں بے سری..... (صلوٰۃ)

آواز صاف نہیں آ رہی، اچھا تو پیچھے آواز نہیں جا رہی، تو بھیا! یہ میری ڈیوٹی تو ہے نہیں، بہر حال! میں اپنی ڈیوٹی میں فرق نہیں آنے دوں گا..... بھئی! یہ پیکر والا کون ہے.....؟ میں تو دعا گو ہوں کہ یہ ٹھیک ٹھاک چلتا رہے۔ پیکر والے کے لئے بھی دعا کرتا ہوں، اس لئے کہ میری آواز آپ تک پہنچتا ہے..... میرے اور آپ کے درمیان وسیلہ ہے۔ سارے شیعہ سنی مانتے ہیں کہ وسیلہ ہونا بہت ضروری ہے، لیکن اب اس وسیلے سے کیا کہوں کہ نزدیک نزدیک تو سنا دیتا ہے اور دور دور تک نہیں سنا پاتا۔ لاکھ اس سے کہوں کہ آپ ہمارے وسیلہ ہو، دور تک سناؤ..... تو یہ چپکے سے میرے کان میں کہتے ہیں (پیکر والا) کہ اصلی وسیلہ اور ہوتا ہے اور کرائے کا وسیلہ..... بھئی ذرا مل کے با آواز بلند صلوٰۃ (نعرہ حیدری)

بزرگان محترم..... توجہ فرمائی آپ نے!

پہلے اسے گرایا..... ایک غبار اٹھا اور اس نے خندق کے میدان کو گھیر لیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سیاہ رات چھا گئی ہے پھر تلواروں کے تصادم اور نیزوں کے ٹکراؤ سے جو چنگاریاں نکلیں وہ رات کی گلا کاریوں کو مات کر رہی تھیں۔ تراب ابو تراب کے صدقے میں بلند ہو کر دشمن ابو تراب کے سر پر آ کر کہہ رہی تھی:

”نامرادن! تیرا مقابلہ ابو تراب سے ہے..... (فئے منہ تیرا کم بخت)“

اب وہاں جتنے کھڑے تھے وہ منتظر تھے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ درمیان میں پردہ غبار حائل تھا جب یہ پردہ چاک ہوا تو مولانا روم سے لے کر مولانا حالی تک سب نے یہ لکھا:

”ابن عبدود نے سمجھا کہ اب میں علی سے بچ نہیں سکتا، اس نے گستاخی

کی اور علیؑ مولا کے چہرے پر اپنا لعاب وہن پھینک دیا۔“

بھئی! میرے شیعہ سنی دوست ایمان سے بتائیں کہ جب اس نے لعاب وہن پھینکا تو مولانا روم کا رد عمل کیا ہونا چاہئے تھا..... غصہ بڑھ جاتا، تلوار کی دھار اور تیز ہو جاتی، دشمن کا سر اور ہڈی قلم ہو جاتا۔ مگر علیؑ نے عجیب کام کیا، بجائے غصے میں اس کا سر کاٹنے کے اسے چھوڑ کر الگ ہو گئے..... علیؑ الگ ہوئے تو ادھر کھلبلی مچی پیغمبرؐ کے پاس کھڑے ہوئے ایک بزرگ نے کہا، دیکھا! علیؑ نے پچھنا دکھا دیا ناں! اچھا خاصا ہاتھ آیا ہوا دشمن چھوڑ دیا..... پیغمبرؐ نے فرمایا، تمہیں کیا پریشانی ہے..... کہنے لگا، ادھر آ گیا تو پھر!

ابھی یہ جملے ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ جب پلٹ کر دیکھا تو علیؑ نے چشم زدن میں کل کفر کا سر قلم کر دیا اور سر لے کر پیغمبرؐ کی طرف چلے..... توجہ چاہتا ہوں! اگر صاحب ذوق بیٹھے ہیں تو میں ایک عربی جملے کا ترجمہ دو لفظوں میں کرتا ہوں..... علیؑ جو چلے تو کچھ دل چلے کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یا رسول اللہ! علیؑ کی چال میں غصہ ہے۔ رسولؐ نے فرمایا، چپ ہو جاؤ، قدرت کو یہی منظور ہے۔ (نعرۃ حیدری)

سامعین!

علیؑ پیغمبرؐ تک پہنچے تو پیغمبرؐ نے فرمایا، یا علیؑ! انہیں بتادو کہ تم نے اسے گرا کر چھوڑا

کیوں؟ علیؑ نے کہا، اللہ کا رسولؐ بہتر جانتا ہے..... یہ نہیں کہ پیغمبرؐ کو علم نہیں، پیغمبرؐ یقیناً بہتر جانتے ہیں، مگر کہا، میں تو جانتا ہوں، یہ نہیں جانتے، ذرا ان کو بھی بتادو..... علیؑ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جب تک اس نے میرے چہرے پر تھوکا نہیں تھا، میں اپنے غضب سے ہرگز نہیں لڑ رہا تھا، بلکہ وہ غضب الہی تھا جو اس کے سینے پر سوار تھا، مگر جب اس نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا۔ اب اگر میں ذاتی غصے میں اس کا سر قلم کر دیتا تو یہ کاروبار اللہ نہ رہتا.....! غضب الہی میں میری ذات شریک ہو جاتی، اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا اور جب میرا غصہ ختم ہو گیا تو پھر میں نے اس کا سر قلم کر دیا تاکہ کاروبار اللہ تکمیل پائے۔

میرے شیعہ سنی بھائیو!

کہاں گئے وہ مولوی صاحبان جو کہتے ہیں کہ علیؑ نے شیر خدا ہوتے ہوئے تلوار کی طاقت سے فلاں باغ کیوں نہ لے لیا؟ فلاں سے کرسی کیوں نہ چھین لی؟ فلاں حکومت کیوں نہ حاصل کر لی..... ارے یہ سب دنیاوی مال ہے اور وہ عالی ظرف علیؑ ہے جو اپنی ذاتی طاقت کے لئے کل کفر کی گردن ہرگز نہیں کاٹتا، تو پھر وہ ذاتی جائیداد کے لئے ظاہراً کلمہ پڑھنے والوں کی گردنیں کیا کاٹ دیتا.....

توجہ ہے دوستان محترم!

اب جب میرا مولانا واپس آیا اور پیغمبرؐ نے گلے سے لگایا، تو مورخ علیؑ کا حلیہ لکھنے آ گیا۔ اس نے وہ حلیہ لکھ دیا جو اس وقت تھا کہ علیؑ ایسے پر جلال بہادر کا نام ہے کہ جب وہ جنگ سے واپس آتا ہے تو فرشتے مرجبا کہتے ہیں، حوریں جزاک اللہ کہتی ہیں، خود اللہ رب العزت جزاک اللہ کہتا ہے اور اللہ کی آخری رسالت بھی پیار سے سر جھکا کر بات کرتی ہے کہ آج اللہ کے جلال کو جلال آیا ہوا ہے، آج اللہ کے غیظ کو غیظ آیا ہوا ہے.....

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

کہ اللہ نے ہمیں وہ رہبر عطا کیا کہ جس کے حلیے میں بھی اختلاف ہے..... بقول ابن حدید کے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ علیؑ کس حلیے کا انسان ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اندر جتنے طبقات ہیں سب کا یہ دعویٰ ہے کہ علیؑ ہمارا ہے۔

شیعوں نے کہا، علیؑ ہمارا پہلا امام ہے۔ سنیوں نے کہا، علیؑ ہمارا چوتھا اور آخری خلیفہ ہے۔ معصوم فرشتوں نے کہا، تم سب ہٹ جاؤ، علیؑ تو ہم میں سے تھا، ہم بھی معصوم وہ بھی معصوم..... وہ جھگڑا کر رہے تھے کہ دنیا جہان کے جتنے پہلوان تھے سب اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے، تم سب پرے ہٹ جاؤ، علیؑ بے مثل پہلوان ہے اس لئے علیؑ ہم میں سے ہے۔ ابھی وہ جھگڑ رہے تھے کہ دنیا کے منصف اکٹھے ہو گئے، کہا، تم سب پرے ہٹ جاؤ، علیؑ دنیا کا بہترین منصف ہے، چنانچہ علیؑ ہم میں سے ہے اور اگر اعتبار نہیں تو اس کی بیچ البلاغہ کا مطالعہ کر لو۔ وہ سب جھگڑ رہے تھے کہ اتنے میں دنیا بھر کے خطیب اکٹھے ہو گئے۔ کہنے لگے، تم سب ہٹ جاؤ، علیؑ تو خطیب منبر سلونی ہے، لہذا علیؑ ہم میں سے ہے۔ وہ جھگڑ رہے تھے کہ سائنس دان اکٹھے ہو گئے، انہوں نے کہا، علیؑ تو ہم میں سے ہے، کیونکہ وہ بے نظیر سائنسدان ہے۔ ریت کے ٹیلے اس کی لیبارٹریاں ہیں، سمجھو کی گھولیاں اس کی دوربینیں ہیں، وہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کے رستے بتاتا ہے، لیکن ابھی وہ جھگڑ رہے تھے کہ دنیا کے سب امیر اکٹھے ہو گئے کہ تم سب پرے ہٹ جاؤ، علیؑ تو ہم میں سے ہے، علیؑ اتنا بڑا امیر ہے کہ جناب امیر کہلاتا ہے..... ابھی وہ جھگڑ رہے تھے کہ انبیاءؑ نے کہا، سب پرے ہٹو! علیؑ تو ہم میں سے ہے کہ ہمیں اس کی ولایت کے اقرار کے بعد اس دنیا میں بھیجا گیا۔ انبیاءؑ جھگڑ رہے تھے کہ خاتم النبیینؑ نے فرمایا:

علی منی وانا منہ

”علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔“

اللہ نے یہ سنا تو فرمایا:

”محمدؐ ٹھہر جاؤ، علیؑ تو مجھ سے ہے کہ وہ علیؑ اور میں علیؑ العظیم ہوں۔“

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ نے ہمیں ایسا منظر العجائب امامؑ دیا کہ دنیا میں کل انسان بن کر آیا..... (نعرہ حیدری)

سامعین!

اللہ نے ہمیں وہ امامؑ دیا جسے رسولؐ نے کل ایمان کہا، لیکن جب بیٹا زمین پر آیا، خواجہ معین الدین چشتی، جمیری پکارا ٹھے:

دین ہست حسینؑ

”حسینؑ پورے کا پورا دین ہے۔“

باپ کل ایمان، بیٹا پورے کا پورا دین..... اب توجہ چاہتا ہوں! جو باپ کو چھوڑ جائے وہ بے ایمان اور جو بیٹے کو چھوڑ جائے وہ بے دین.....!!

توجہ ہے کہ نہیں!

اسی لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ باپ کا دامن چھوٹنے پائے نہ بیٹے کا اور خدا کی قسم! اگر دنیا میں نجات کا سہارا ہیں تو وہ بھی یہی باپ بیٹا..... اگر اس باپ بیٹے کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو دنیا میں گزارا ہے نہ آخرت میں.....

میرے محترم سامعین!

حرم کے دنوں میں کوئی بھی اپنے گھروں میں نہیں بیٹھتا، سب دین ہست حسینؑ کا ذکر سننے کے لئے مجالس میں کیوں چلے آتے ہیں؟ اس لئے کہ خدا شاید گنہگار انسانوں کو نواسہ رسولؐ کا دامن چھوڑ کر اپنی بخشش کا کوئی سہارا ہی دکھائی نہیں دیتا..... میں کہتا ہوں کہ اس مجلس میں جتنے بھی گنہگار آتے ہیں ان میں سے خُسر سے بڑا گنہگار کوئی نہیں ہوگا..... خدا کی قسم! اگر خُسر کی بخشش ہو سکتی ہے تو فاطمہؑ کے لال کے صدقے میں ہمارے گناہ بھی معاف

ہو سکتے ہیں..... تاریخ کی چھان پھک کر کے بتاؤ! خُر سے بڑا کوئی گنہگار گزرا ہے؟ خُر سے بڑا خاطر کوئی گزرا ہے؟ ذرا جاگ کر سنیے گا:  
خط لکھ کر کس نے بلایا؟..... خُر نے۔  
نہر سے خیمے کس نے اکھڑوائے؟..... خُر نے۔  
رستہ کس نے روکا؟..... خُر نے۔  
مولاً کے گھوڑے کی لگام میں ہاتھ ڈال کر جھٹکا کس نے ویسا؟..... خُر نے۔

اب بتائیے! اس سے بڑا بھی کوئی گنہگار ہو گا؟ اس سے بڑا بھی کوئی مجرم ہو گا؟ مگر وہ رے عالی ظرف حسین! یہ تو کسی معزز زمیندار سے پوچھیں کہ اگر وہ اپنی سواری پر بیٹھا پنے رقبے سے گزر رہا ہو اور دو نکلے کا آدمی اس کا رستہ روک کر کہے کہ نیچے اترا!..... تو ولیاں نہیں چل جاتیں! لاشیاں نہیں برس جاتیں! کنبے نہیں کٹ جاتے اور یہ تو عام زمیندار ہی نہیں! کائنات کا شہزادہ ہے۔ اس کے مقابلے میں خُر کی ویلیو "Value" ہی کیا تھی؟ مگر مجھے ہی اس نے رستہ روک کر لگام کو جھٹکا دیا اور کہا کہ نیچے اترو میں آپ کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں تو عالی ظرف حسین نے بڑے آرام سے کہا خُر میں سمجھتا ہوں کہ تو مجھے گرفتار کرنے آیا ہے مگر پہلے یہ تو بتا کہ بولتے وقت تیری زبان کیوں لڑکھڑاہی ہے؟ تیری زبان میں لکنت کیوں ہے؟ خُر سر جھکا کر کہتا ہے فاطمہ کے لال! نواسہ رسول! میں سرکاری ڈیوٹی پر ہوں مجھے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم ہے۔ اتنی دور سے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں راتے میں پانی نہیں ملا اور پیاس سے میری زبان خشک ہو گئی ہے لہذا زبان سے الفاظ صحیح طرح نہیں نکل رہے۔ حسین فرماتے ہیں خُر اس طرح کر پہلے پانی پی لے پھر مجھے گرفتار کر لیتا..... بھائی عباس! مشکوں کے منہ کھول دو۔ عباس نے مشکوں کے منہ کھولے ایک ایک ہاشمی جوان نے اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر سپاہ خُر کے ہونٹوں سے لگایا۔ جب ہزاروں سپاہی پانی پی چکے تو غازی نے کہا مولاً! پانی ابھی باقی ہے۔ حسین نے کہا عباس! اس طرح کرو کہ خُر کے

زمیندارو! خدا کی قسم! اسے کہتے ہیں امام وقت..... فرماتے ہیں عباس یاد رکھنا! گھوڑے کی فطرت ہے کہ ایک دفعہ چند گھونٹ بھر کے سر اوپر اٹھا لیتا ہے حالانکہ ابھی پیاسا ہوتا ہے جب تک گھوڑے خوب پانی پی کر پانی سے منہ نہ موڑ لیں پانی ان کے آگے سے نہ ہٹانا..... اتنا پانی پلانے کے بعد بھی غازی نے کہا مولاً! پانی اب بھی بچ گیا ہے۔ کہا سپاہیوں کے بدنوں پر لوہے کی جوزر ہیں وہ گرمی سے تپ گئی ہوں گی ان پر پانی چھڑک کر انہیں ٹھنڈا کر دو۔ پانی چھڑک دیا گیا تو غازی نے کہا مولاً! اب بھی پانی باقی ہے..... آپ حسین کو صرف غریب سمجھ کر نہ رویا کریں یا حسین سے بڑا مظلوم تو کوئی ہے..... ہی نہیں جو اپنے ساتھ اتنی مشکیں لے کر چلا تھا کیا اسے آپ غریب سمجھتے ہیں؟ خدا کی قسم حسین نے عباس غازی سے کہا عباس! اب جو پانی باقی بچا ہے ریت کی گرمی سے چونکا گھوڑوں کے سم تپ گئے ہیں لہذا یہ پانی ان کے سموں پر چھڑک دو۔

نیاز بیگ میں آئیو الے میرے شیعہ سنی بھائیو!

جتنا پانی میرے مولا حسین نے خُر کے لشکر کو پلایا تھا اگر یہ پانی محفوظ رکھتا تو دسویں کے دن ۶ مہینے کے بیچ کے لئے پانی کا سوال کرتا؟ عالی ظرف حسین پیاسا ذبح ہوتا رہا مگر اس کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ کل میں نے تمہیں اتنا پانی پلایا تھا آج تم مجھے پانی سے محروم کر رہے ہو۔

سامعین!

اس سخاوت اور اس عطا کا نتیجہ یہ نکلا کہ دسویں کی صبح تک تو یہی خُر فوج یزید میں بیٹھا رہا اور یزید کی طرف سے یہ آرڈر تھا کہ گرفتار کر کے خُر لایا ہے چنانچہ پہلا حملہ بھی خُر ہی کرے گا..... لیکن جب دسویں کی صبح کو شہزادہ علی اکبر نے اذان دی اور جب نہالہ مساکین

اشهد ان محمدا رسول الله

اور یہ صدا جب خر کے کان میں پڑی تو بخدا بیٹھ نہ سکا پریشانی کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ عمر سعد سے کہنے لگا:

”عمر سعد! کیا یہ جنگ رک نہیں سکتی؟“

عمر سعد نے کہا:

”نہیں! تو خود گھیر کر لایا ہے پہلا حملہ بھی تو خود ہی کرے گا۔“

خراٹھتا ہے تو اٹھا نہیں جاتا بیٹھتا ہے تو بیٹھا نہیں جاتا بڑی مشکل سے کمر پکڑ کر

اٹھا سیدھا اپنے خیمے کی جانب چلا۔ خیمے سے نکل رہا تھا کہ اس کے جوان بیٹے علی ابن خرنے اپنے باپ کو آتے ہو دیکھا اور باپ سے منہ موڑ لیا۔

خر نے کہا:

”بیٹا! یہ منہ کیوں موڑا ہے؟ سلام نہ پیغام ادب آداب بھی بھول گیا۔“

بیٹا دونوں ہاتھ مل کے کہنے لگا:

”بابا! ادب کا زمانہ گزر گیا سلام کا وقت جاتا رہا میں نے تجھے روکا نہیں تھا کہ حسین کا رستہ نہ روک میں نے منع نہیں کیا تھا کہ لگام میں ہاتھ نہ ڈال تو جس غریب کو گھیر کر لایا ہے اب وہ بچتا نظر نہیں آتا۔“

خدا کی قسم! خراور پریشان ہو گیا۔

کہنے لگا:

”اچھا بیٹے! تو یہاں ٹھہر میں خیمے میں تیری ماں سے دو باتیں کر کے

آتا ہوں.....“

جیسے ہی خر نے خیمے کے اندر قدم رکھا اس کی بیوی اور بیٹیاں زمین پر بیٹھی تھیں۔

بیٹی ماں سے کوئی بات کر رہی تھی اچانک باپ کو آتا ہوا دیکھا تو سہم کر حیر ہو گئی کہ ایسا نہ

کہ باپ مجھے تکلیف پہنچائے۔ خر قریب جا کر کہنے لگا:

”بیٹی! تم ماں بیٹیاں کیا گفتگو کر رہی تھیں؟“

بیٹی کا ہنسی ہوئی آواز سے کہنے لگی:

”بابا! میں بتاؤں گی نہیں۔“

خر نے کہا:

”تمہیں بتانا پڑے گا۔“

اس نے کہا:

”پھر تم مجھے یقین دلاؤ کہ تم مجھے کچھ کہو گے نہیں۔“

خر نے کہا:

”میں یقین دلاتا ہوں..... بلکہ مدینے والے محمد کی قسم کھاتا ہوں کہ

تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔“

بیٹی جلدی سے پاؤں پر گر گئی اور کہنے لگی: بابا! جس مدینے والے محمد کی قسمیں

کھاتے ہو اسی کی اولاد پر پانی بند کرتے ہو۔ بابا! سیری بات سن! رات کا وقت تھا سدا سے

افران کی عورتیں بیٹیاں، بہنیں بیویاں نہر فرات پر سیر کے لئے گئیں مگر نہ میں گئی اور نہ

سیری ماں۔ میں صرف باہر نظارہ کرنے کے لئے نکلی تو میں بجائے فرات کی طرف جانے کے

ان خیموں کی طرف چلی گئی جو سیاہ رنگ کے ہیں۔ جیسے ہی میں خیموں کے قریب پہنچی میں

نے دیکھا کہ ایک نوجوان جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا پہرے پر

مامور تھا۔ میں گھبرا کر وہیں سے واپس ہونے لگی تو اس نے پیچھے سے آواز دی: بہن کہاں جا

رہی ہو کیسے آئی تھی؟؟ سیرے چلتے ہوئے قدم رک گئے میں اس کے قریب پہنچی تو وہ مجھے

اپنے خیموں میں لے گیا۔ خیموں میں جا کر کیا دیکھا کہ کچھ بیٹیاں جن کے ماتھوں پہ محراب

چہروں پہ نور زمین پر بیٹھی تھیں۔ کسی نے کہا: آ میری بیٹی..... کسی نے کہا: آ میری بیٹی.....

کسی نے کہا: آ میری نور نظر اور جو سب کی سردار بی بی تھی اس نے میرا ہاتھ جو مجھے گود میں

ٹھٹھایا اور کہنے لگی بھائی خرکی بیٹی تو ایسے وقت میں آئی ہے کہ میں تیری کوئی خدمت نہیں کر سکتی، میں تیری کوئی سیوا نہیں کر سکتی۔ اس کے باوجود ان لاچار بیبیوں نے اپنے سارے یورات جمع کئے اور انہیں باندھ کر ایک گٹھڑی میرے حوالے کی اور مجھے کہا کہ جا کر اپنی ماں کو ہمارا سلام کہنا اور ہماری طرف سے اس کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کر دینا۔

بابا! میں جب یہ لے کر نکل رہی تھی تو ساتھ والے خیمے میں ایک بچی کھڑی تھی اس نے مجھے دیکھا تو میرا بازو پکڑ کر اندر لے گئی۔ جب میں اندر گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی بچی نے مجھے ایک پیغام دیا کہ جا کر پچا خر سے کہنا اگر میرے بھائی کو ایک گھونٹ پانی مل جاتا تو کیا میرا فرات ختم ہو جاتا۔

خر نے کہا بس بیٹا! اب میں نوندہ نہیں رہنا چاہتا۔ یہ کہہ کر باہر نکلا۔ باہر گھڑے بیٹے نے بازو تھامنا اور کہنے لگا بابا! ذرا میرے ساتھ چلے۔

خر کے ساتھ چلا بیٹا سیاہ خیموں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا بابا! یہ کن کے ہیں؟

خر کی زبان سے نکلا جنہوں نے ہمیں پانی پلایا تھا۔

کہا بیٹی یاد ہے۔ کہا یاد ہے۔

علی ابن خر نے کہا بابا! ذرا کان لگا کر سنئے کوئی آواز آرہی ہے۔

خر نے آوازیں سنیں تو جگر پکڑ کر بیٹھ گیا کوئی آواز آرہی تھی اماں پانی..... کوئی رہ رہا تھا ماموں پانی..... کسی کی آواز آرہی تھی بھیا! پانی۔

خر نے کہا بس بیٹا! اب میں جینا نہیں چاہتا چل واپس چلے ہیں۔ خر گھوڑے پہ بیٹا آگے آگے چلا۔ عمر سعد کے قریب آ کر گھٹنے کے زور سے تیر کمان توڑ کر اس کے

ماری۔ کہا یہ اپنے پاس رکھ! میں فاطمہ کے لال کو سلام کرنے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر ختم گھوڑے سے اتر نہیں گر گیا۔

بیٹے سے کہنے لگا ایک رومال سے میری آنکھوں پر کس کر پٹی باندھ دئے میں لالہ کے لال سے آنکھیں نہیں ملا سکتا اور ایک رومال کس کر میرے دونوں ہاتھوں پہ باندھ دئے میں نے ان ہاتھوں سے حسین کے گھوڑے کی لگام میں ہاتھ ڈال کر جھٹکا دیا تھا۔ خدا کی قسم! خراسی انداز سے چلا کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا چل چل! کیا کرنے آیا ہے..... مگر اسے کہتے ہیں رحمت اللعالمین کا گھرانہ کہ ادھر سے گنہگار چلا۔ ادھر سے رحمت الہی چلی گنہگار قریب آیا۔ مولانا کے گھوڑے کی رکاب پہ سر رکھا لمبی چوڑی تقریر نہیں کی صرف ایک جملہ کہا:

”رسول کے بیٹے مجھ سے غلطی ہو گئی۔“

واہ رے حسین ابن علی! ایک ہاتھ خر کے ماتھے پر رکھا ایک ہاتھ داڑھی پر رکھا بسم اللہ کہہ کر چہرہ اٹھایا زین سے جھک کر ماتھا چوم کر کہا بھائی خر ہم نے معاف کیا جیسے ہی زبان سے نکلا بھائی خر! ہم نے معاف کیا۔ شہزادہ علی اکبر گھوڑے سے اترے جھک کر کہا پچا خر سلام..... حبیب ابن مظاہر نے کہا خر میں حسین کا بچپن کا دوست ہوں مگر مجھے حسین نے بھائی نہیں کہا تجھے بھائی بھی کہہ دیا تو بڑا خوش نصیب ہے تجھے مبارک ہو۔ جب یہ مبارکباد کی آوازیں خیموں میں پہنچیں تو ملکہ عالیہ نے سنیں۔ شہزادی عون و محمد سے آواز مجھے دے کر کہتی ہے بیٹا! یہ کیسی مبارکبادیں ہیں؟ چھوٹے شہزادے نے کہا اماں! جس نے ماموں کا رستہ روکا تھا اور گھوڑے کی لگام میں ہاتھ ڈالا تھا وہ مجرم بن کر آیا ہے۔ زینب نے کہا پھر کیا ہوا؟

بیٹے نے جواب دیا ماموں نے اسے بھائی کہہ دیا ہے۔

نیاز بیگ والو!

جس جس کی رگوں میں شریف خون ہے اب یہ جملہ بھی سنتا جائے۔ علی کی بیٹی

کہنے لگی عون و محمد!! باہر جاؤ ایک خر کے دائیں کھڑے ہونا ایک بائیں کھڑے ہونا اور کہنا

ماموں خُر! ہماری ماں زینبؓ سلام کہتی ہیں..... خدا کی قسم! جیسے ہی بچوں نے خُر کو سلام کیا، خُر کا چہرہ دودھ کی طرح سفید ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا، خُر خیریت تو ہے؟ کہنے لگا، مولانا کوئی خیریت نہیں..... مولانا! مجھے یاد ہے کہ جب میں نے آپ کے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا تھا تو میں نے محلوں میں سیدانوں کے رونے کی آوازیں سنی تھیں اب آپ میرے سفارشی بنیں اور مجھے علیؑ کی بیٹی سے معافی لے دیں۔ جب تک مجھے علیؑ کی بیٹی معاف نہیں کرے گی میں سکون سے مر نہیں سکوں گا۔ مولانا نے کہا، خُر فکر نہ کر..... آگے آگے مولانا، پیچھے پیچھے خُر عباس غازیؓ نے ”علم“ کا سایہ کیا ہوا۔ علیؑ اکبرؓ کبھی دائیں، کبھی بائیں..... مولانا خیمے کے اندر پہنچے خُر باہر کھڑا ہوا ہے۔ مولانا نے کہا، بہن مبارک ہو، بھائی خُر آیا ہے۔

زینبؓ نے کہا، بھائی حسینؓ، بھائی خُر کو میرا سلام کہہ دو۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خُر کی چیخیں نکل گئیں، رو کر کہنے لگا، گنہگار امت کو بخشوانے والی ماں کی بیٹی! میں گنہگار تیرے دروازے پر آیا ہوں، تجھے اپنی چادر عصمت کا واسطہ مجھے معاف کر دے۔ اب جواب کیا دیا، اسے صرف شریف لبوسن سکتا ہے۔ علیؑ کی بیٹی کہتی ہے بھائی خُر! مجھے شرمندہ نہ کر۔ اسے کہتے ہیں انسانیت کی معراج کہ گنہگار معافی مانگے اور کریم شرمندہ ہو رہا ہو..... میری شہزادی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔

مولانا حسینؓ نے کہا، بہن اب کیوں روتی ہو؟ اب تو بھائی آیا ہے۔

تو فرماتی ہیں حسینؓ اس آمد نے میرا دل زخمی کر دیا، میرے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

حسینؓ نے کہا، کیوں؟

زینبؓ نے کہا، حسینؓ سن! جب یہ دشمن بن کر آیا تھا تو ہم نے اسے پانی پلایا تھا، اس کے گھوڑوں کو میرا ب کیا تھا، اس کے سپاہیوں کی جیاس بجھائی تھی۔ آج زینبؓ کا دل شکستہ ہے کہ جب یہ بھائی بن کر آیا ہے تو اس کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی..... کچھ کھلا سکتی ہے نہ پلا سکتی ہے۔

لیکن خُر جاؤ، زینبؓ تم سے دو وعدے کرتی ہے، ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا۔ دنیا کا وعدہ یہ کرتی ہوں کہ اگر اس بے حیاء دنیا نے مجھے مہلت دی تو حسینؓ سے پہلے تیری لاش آؤں گی اور اپنے سفید بال کھول کر تیرا ماتم کروں گی اور آخرت کا یہ وعدہ کرتی ہوں کہ میں تجھ سے پہلے جنت میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔

مہربان محترم!

دسویں کی صبح کو جب شہزادہ علیؑ اکبرؓ میدان جنگ میں جانے لگے تو خُر مولانا حسینؓ کے پاؤں پہ گر گیا۔ کہنے لگا، مولانا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرا جوان بیٹا تیروں سے چھٹی ہو جائے اور میرا جوان بیٹا دیکھتا رہے۔

حسینؓ نے کہا، خُر! تو مہمان ہے۔ خدا کی قسم! خُر کی چیخیں نکل گئیں، رو کے کہنے لگا، مولانا! مہمان میں ہوں یا آپ!..... مولانا! مہمان تو آپ ہیں۔

مولانا! تجھے دادی کا واسطہ، تجھے ماں فاطمہ زہراؑ کا واسطہ، تجھے شہزادیوں کا واسطہ، علیؑ اکبرؓ کونہ جانے دے پہلے میرے بیٹے کو بھیجیں۔ میرے مولانا نے علیؑ ابن خُر کو زین پر بٹھایا۔ خُر کا بیٹا میدان کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر سے علیؑ ابن خُر چلا، ادھر سے تیرے چلے، تلواریں چلیں، نیزے چلے..... علیؑ ابن خُر سر سے لے کر پاؤں تک زخمی ہوا اور زخموں سے چور چور زمین سے زمین پر گرنے لگا تو آواز دی بابا! میری لاش پر آؤ..... بابا! میری لاش پر آؤ..... پھر حسینؓ سے کہا، مولانا! میرا آخری سلام.....!

بس نیاز بیگ والو!

میرا بیان ختم ہوا..... میں دور دراز سے آیا ہوا ایک سید..... میں دست بستہ ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔ کیوں میرے بزرگو! اگر نزع کے عالم میں جوان بیٹا باپ کو آواز دے تو ایمان سے بتائیے کہ باپ چاہے جتنا کمزور ہو جتنا لاچار ہو بیٹے کی آواز پہ پوری قوت کے

ساتھ دوڑ کر پینچے گا یا نہیں؟

خر کے بیٹے نے آواز دی تو خر بھی پوری قوت کے ساتھ دوڑا پوری کوشش سے بیٹے کے پاس پہنچا مگر جب وہاں پہنچا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو فاطمہ کا لال خر کے بیٹے کا سراپنی گود میں لئے بیٹھا تھا اور ماتھا چوم کر کہہ رہا تھا: یا اللہ! یہ خر کی نہیں میری قربانی آرہی ہے..... خر کھڑا دیکھتا رہا بیٹے نے آخری ہنگامی تو خر جھکا اور جھک کر بیٹے کی لاش اٹھانے لگا..... مقتل کا ایک فقرہ سن لیں: یہیں بیان ختم کرنے لگا ہوں، ”وقام الحسین“ حسین کھڑے ہو گئے۔ ”ولیدہ علی صدرہ“ اور اپنے ہاتھ اس کے سینے پر رکھتے ہوئے اسے پیچھے کر دیا۔

خر کانپتی ہوئی آواز میں بولا: مولاً! مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے کوئی خطا ہو

Presented By: www.jafriilibrary.com

حسین نے کہا: خر تو کیا کرنا چاہتا ہے؟

خر بولا: مولاً! میں اپنے بیٹے کی لاش نہ اٹھاؤں.....

مولاً نے کہا: خر تو تازہ تازہ آیا ہے شاید تو شریعت کا قانون نہیں جانتا۔

کہا: مولاً! شریعت کا قانون کیا ہے؟

کہا: خر! شریعت کا قانون ہے کہ کوئی باپ اپنے جوان بیٹے کی لاش نہ اٹھائے، خر

جب تک میں زندہ ہوں میں تجھے تیرے بیٹے کی لاش نہیں اٹھانے دوں گا.....

خر تیرے بیٹے کی لاش میں اٹھاؤں گا۔

نیاز بیگ والو!

روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کربلا کی طرف منہ کر کے اتنا تو پوچھ لو کہ فاطمہ کے

لال یہ جو فقہرے تو نے خر سے کہے تھے اکبر کی لاش پہ کتنے یاد آئے ہوں گے! اصغر کی لاش

اٹھاتے ہوئے کتنے یاد آئے ہوں گے.....



## مجلس چہارم

م!

کے فضل و کرم اور اس کی مہربانی سے ہم سب انسان ہیں۔ اللہ نے ہمیں

میں سے جس کو اس نے انسان بنایا ہے وہ اس اس سے بھی چاہتا ہے کہ وہ دنیا

میں رہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں انسان بنایا ہے لہذا تم انسان بن کر رہو

اور فرشتہ! حیوان بننا بہت آسان ہے اور فرشتہ بننا بھی انسان کا کوئی کمال

مگر کسی کا دل حیوان جتنے کو کرے تو اس کے لئے بہت آسان طریقہ ہے وہ

اٹھائے اور کھیت میں پہنچ کر جو چاہے کھاتا پھرے..... کیونکہ کسی حیوان نے

پہنچا کہ یہ میرے مالک کا مال ہے یا نہیں؟ میں کھاؤں یا نہیں؟ یہ میرے لئے

ہے؟ تو جو بھی حلال و حرام کی تمیز کے بغیر کھانا شروع کرنے وہ حیوان ہے۔

میں محترم سامعین!

انسان کا کتا آسان ہے اور فرشتہ بننا بھی کچھ مشکل نہیں اور نہ ہی کمال کی بات

میں مولوی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ سبحان اللہ! فلاں

مولوی صاحب تو بس فرشتے ہیں؛ حالانکہ یہ کوئی تعریف نہیں ہے۔ ”فرشتے ہیں“ کا مطلب تو یہ ہے کہ ان میں انسانیت ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔ اور ویسے بھی فرشتے تو وہ ہیں جو کل انسان کے سامنے پڑے ہوئے تھے اور جس جس نے انسان کو سجدہ نہیں کیا وہ فرشتہ نہیں رہا۔ (صلوٰۃ)۔  
 بھی! بات یہ ہے کہ آپ حضرات کو جہاں جہاں جگہ ملتی ہے وہیں تشریف رکھئے۔ اس لئے کہ آج میرے پاس وقت کم ہے؛ جو وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اس کے سبب بہت سی چیزیں بیان سے نکل جاتی ہیں۔ خداوند عالم آپ کے اس حسن سماعت کو برقرار رکھے۔ آپ میری طرف بھر پور توجہ کیجئے تاکہ میں آپ سے ایک دو باتیں عرض کر سکوں۔

میں گزارش یہ کر رہا تھا کہ انسان اتنا عظیم ہے کہ اللہ نے فرشتوں کی پیشانی اس کے سامنے رکھی اور جو انسان کے سامنے نہیں جھکا وہ فرشتہ ہی نہیں رہا؛ فرشتہ تو درکنار وہ تو کسی انسان کو شکل دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔ (نعرۂ حیدری)

بیشاں اللہ اتنا مجمع بیضا ہے؛ کسی نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی ہوگی؛ جب سے وہ نکالا گیا ہے آج تک اپنی شکل میں انسان کے سامنے نہیں آیا۔۔۔۔۔ اور مولوی صاحبان کو تو اس اتنی ضد ہے کہ وہ کوئی کام ہی نہیں کرتے؛ جب تک اس پر نعوذ باللہ نہ پڑھ لیں۔ غلطی اپنی ہوتی ہے؛ لعنت اس پر ٹھوک دیجئے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے بڑے بڑے مولوی صاحبان سے پوچھا ہے؛ بھی! یہ تم اس پر لعنت کیوں کرتے ہو؟ کہتے ہیں؛ صاحب! آپ کو پتہ نہیں بڑا اٹلیس ہے؛ ہمیں گمراہ کرتا ہے۔ میں نے کہا؛ فرض کر دوہ لاہور میں دس بچے ٹنگ کر رہا ہے تو کم از کم فیصل آباد والے تو اس کے شر سے محفوظ ہیں؛ وہ تو لعنت کرنے کا حق نہیں رکھتے۔۔۔۔۔ اس لئے کہ وہ لاہور میں ہے؛ فیصل آباد میں نہیں پہنچے گا اور اگر فیصل آباد میں ہے تو کہا ہی والے تو لعنت کا حق نہیں رکھتے؛ مگر وہاں بھی ہر کوئی لعنت بھیج رہا ہے اور اگر ہاں ہے تو لندن والوں کو تو ہر گز حق نہیں پہنچتا کہ اس پر لعنت بھیجیں؛ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ ہاں پر بھی۔۔۔۔۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس پر ۲۳ گھنٹے عموذ باللہ بھی پڑھی جا رہی ہے۔ کیوں بھیجئے ہمارے اس پر لعنت؟ اس لئے کہ یہ بڑا نصیبت ہے اور ہر جگہ گمراہ کرتا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شیطان پر اتنا پکا ایمان ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوگا ہے اور اگر میں کہوں کہ میرا نبی اور امام بھی حاضر و ناظر تو کہیں گئے ایسے گل سمجھ وچ نہیں آندی۔۔۔۔۔ یعنی مجھ وچ کیوں نہیں آندی۔ اگر گمراہ کرنے والا ہر جگہ حاضر ناظر ہو سکتا ہے تو ہدایت دینے والا ہر جگہ حاضر و ناظر کیوں کر نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

سالمین!

اگر قیامت کے دن اللہ مجھ سے کہے گا کہ چل جہنم میں۔ میں کہوں گا؛ یا اللہ! میرا گناہ؛ میری غلطی؛ میرا تصور؟ میں تو کمزور انسان تھا۔ مجھ سے گناہ ہو گئے۔۔۔۔۔ اب وہ کہے گا؛ کیوں کئے گناہ؟ میں کہوں گا؛ میں تو تھا سیدھا سادا انسان اور میرے مقابلے میں تھا؛ تیری اپوزیشن کا لیڈر شیطان۔۔۔۔۔ میرا اس سے کیا مقابلہ؟ وہ طاقتور؛ میں کمزور۔ وہ گمراہ کرتا رہا؛ میں ہوتا رہا۔۔۔۔۔ توبہ کر کے کہتا ہوں؛ یا اللہ! یہ تیری اپنی سیاسی ہیر پھیر کا نتیجہ ہے کہ تم نے گمراہ کرنے والا رکھا؛ ہدایت کرنے والا رکھا ہی نہیں۔ اگر تو ہدایت کرنے والا بھی رکھتا اور وہ ہدایت کرتا تو میں گمراہ کیوں ہوتا؟۔۔۔۔۔

بولئے! اللہ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ اگر جواب نہیں تو پھر اللہ اللہ نہیں۔۔۔۔۔ اور اگر جواب ہے تو کیا جواب ہے؟ وہی جواب ہے جو فقہ جعفریہ کا جواب ہے؛ وہی جواب ہے جو غلامان آل محمد کا جواب ہے۔ اللہ کہے گا؛ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں بندوں پر ظلم کروں اور ہر دور میں گمراہ کرنے والے کو کھلی چھٹی دے دوں؛ جبکہ ہدایت کرنے والا رکھوں ہی نہیں۔ میں نے اگر ہر دور میں گمراہ کرنے والے کو رکھا ہے تو ایک ہدایت کرنے والا بھی رکھا ہے۔ اب تقاضائے عدل یہ ہے کہ اگر گمراہ کرنے والا ظاہر ہو کر گمراہ کرے تو ہدایت دینے والا بھی ظاہر ہو کہ ہدایت دے اور اگر گمراہ کرنے والا غائب ہو کر گمراہ کرے تو ہدایت دینے والا بھی غائب رہ کر ہدایت دے۔۔۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

توجہ ہے صاحبان!

اور جب اللہ نے پوچھا کہ کیوں سجدہ نہیں کرتا اسے.....

وما خلقت بید

”جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے خلق کیا۔“

حافظانِ قرآن ذرا غور کریں پڑھیں قرآن کہ قرآن میں ”بیدا یا“ کا لفظ ہے کہ

نہیں۔ جسے میں نے خلق کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ تو جواب میں کہتا ہے (شیطان)

میری عبادت میں فرق آتا ہے میری اطاعت میں فرق آتا ہے۔ جو پیشانی تیرے سامنے

جھکی وہ کسی غیز کے سامنے کیسے جھکے؟ وہاں اللہ جلال میں آ کر مفہوم عبادت کو ظاہر کرتا ہے

اور اس کا جلال ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔ یہ نہیں کہتا ”هو العظیم“ یہ نہیں کہتا

”هو الملکوت“ بلکہ پورے جلال میں آ کر کہتا ہے کیا کہا تو نے یا لعین! او ملعون! تیری

عبادت میں فرق آتا ہے۔ سن..... میری عبادت وہ نہیں جسے تو چاہے میری عبادت وہ ہے

جسے میں چاہوں..... میری چاہت پر عمل کرنے کا نام عبادت ہے..... ہر وہ کام عبادت ہے

جسے اللہ چاہتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو عبادت ہی نہیں۔

توجہ ہے صاحبان!

میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ اس کے بعد کے جواب ہیں ذرا قرآن مجید کی تلاوت

فرمائے جو پہلا جملہ اس کی زبان سے نکلا تھا اسی نے اسے قیامت تک کے لئے لعنتی بنا دیا۔

پہلا جملہ کیا تھا؟ بے ساختہ کہنے لگا ”لم یکن“ میں نہیں سجدہ کرتا اس بشر کو۔ یہ سن کر رحمان

ورحیم جبار و قہار ہو گیا۔ اس نے کہا نکل جا میرے دربار سے جسے میں نے اپنا نبی بنایا ہے تو

اسے بشر کہہ رہا ہے۔

نبی کو بشر کس نے کہا..... یہ ہمارے نوجوان چھیڑ چھاڑ کرنے کے لئے بڑے سوالات کرتے

ہیں۔ یہ کچھ اب بھی آئے پڑے ہیں سوالات میری نظر کمزور ہے گھر جا کر ہی پڑھوں گا اور

کل بتاؤں گا کہ کیا کیا سوال ہیں۔

سامعین!

میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ نوجوان چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں

کہتے ہیں کہ شیطان کی نشانی کیا ہے؟ اب اگر میرے پاس کیمرا ہوتا تو میں مکمل تصویر کھینچ

آپ کو دے دیتا۔ اس وقت تو میں بھی نہیں تھا البتہ قرآن مجید نے تصویر کھینچ دی ہے کہ سب

سے پہلے نبی کو بشر اس نے کہا۔ اب جو نبی کو بشر کہتا ہوا نظر آئے سمجھ لو اسی کی تصویر

ہے۔ (نعرۂ حیدری)

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

خدا کی قسم! پیغمبر اکرم عظمیٰ طور پر ہم جیسے بشر ہیں نہ فکری طور پر۔ منصب کے

اعتبار سے ہم جیسے بشر ہیں نہ شرعی اعتبار سے کیونکہ ہمارا کلمہ اور ہے نبی کا کلمہ اور ہے۔ ہمارا

کلمہ ہے:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله

مگر نبی اکرم کا کلمہ ہے:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انی محمد رسول الله

ہم پر پانچ نمازیں واجب ہیں نبی پر چھ نمازیں واجب ہیں..... نبی پر حکم ہوتا ہے

میرے حبیب! آپ نماز تہجد بھی پڑھیں۔ میں نماز پڑھ رہا ہوں مجھے امیر بلائے کبیر بلائے

منبر بلائے وزیر بلائے چیف ایگزیکٹو بھی اگر بلائے یا Even پرنٹرز بھی بلائے تو میں

اور اس کی آواز پر لبیک کہو۔ شرعی طور پر فرق سمجھ میں آ رہا ہے۔ آپ چار تک شادیاں کر سکتے ہیں؛ بشرطیکہ پہلی بیگم اور چیئر مین صاحب یونین کونسل اجازت دے دیں، مگر نبی کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں، وہ جتنی چاہے شادیاں کر سکتا ہے۔ میرے مرنے کے بعد میری بیوی جس سے چاہے نشاوی کر سکتی ہے، مگر نبی کی بیوی کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

توجہ ہے دوستو!

خدا کی قسم! نبی اکرمؐ کو بشر محض سمجھنے والے مصر کی کافرہ عورتوں سے بھی گھٹیا ذہن کے مالک ہیں اس لئے کہ جب زلیخا پر انہوں نے اعتراض کئے تھے کہ وہ ایک غلام پر عاشق ہو گئی۔ مصر ہو کر ایک غلام پر مر مٹی، تو اگر زلیخا چاہتی تو انہیں ددو ڈنڈے لگواتی اور سارے اعتراضات کے منہ بند کر دیتی، لیکن وہ سمجھتی تھی کہ نبی محبت میں سختیوں سے اعتراضات ختم نہیں ہو سکتے۔

میری بات پر غور ہے صاحبان!

زلیخا نے کہا کہ پھر اس طرح کرو کہ یوسفؑ کا جلوہ دکھا دیجی ہوں۔ انہوں نے کہا، ہمیں اور کیا چاہئے۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا کہ اس نے دس پندرہ دیکھیں چڑھوائیں۔ مصر کی عورتوں کو دعوت دی۔ یہ دیکھیں کیا ہیں بھائی؟ تھمک ہے اور یہ تھمک کیا ہے؟ گئی محبت یہ اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کرنے کا طریقہ ہے اور جب سب لائن میں بیٹھ گئیں تو زلیخا نے انہیں لیٹوں کا ایک ایک کھٹا بھل دیا کہ آج تمہیں تمہارے اعتراض کا پھل ملے گا..... پھر ایک ایک چھری دے دی اور کہا کہ جیسے ہی یوسفؑ کو دیکھنا تو چھری سے پھل کاٹ دینا۔ سامنے پردے میں یوسفؑ تھے پردے کے نزدیک ایک کنیر کھڑی ہے۔ ادھر زلیخا نے کہا، ہوشیار! عورتوں نے چھریاں اور پھل اٹھائے۔ زلیخا نے رومال ہلایا، کنیر نے پردہ ہٹایا..... یوسفؑ نکلے، حسن کی بجلی چمکی اور چھریاں چل گئیں اور ایسی چلیں کہ اٹھائیں کٹ گئیں۔ یہ

کیاں کیوں گئیں؟ اس لئے کہ نبی محبت پر اٹھتی تھیں..... (توجہ ہے یا نہیں) قرآن نے بے ساختہ کہا، ان کی زبان سے یوسفؑ کو دیکھ کر فوراً نکلا، "حاشا للہ، حاشا للہ، حاشا للہ" تو بہ توبہ، "ماھذا بشرو ان هذا الا ملک کریم" توبہ توبہ یہ کوئی بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی نوری فرشتہ ہے۔

میں کہتا ہوں، آج کل کے پڑھے لکھے ان ملاؤں سے تو وہ کافرہ عورتیں زیادہ عقلمند تھیں، جو نبی کو نوری فرشتہ کہہ انھیں پشتر نہ سمجھیں۔ (نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری) ہمارے مولوی صاحبان جب نبی اکرمؐ کا موازنہ دوسرے انبیاء سے کرتے ہیں، کہتے ہیں

حسن یوسفؑ دم عیسیٰ ید بیضا داری  
آنچہ خوباں ہم دارند تو تنہا داری

کہ یوسفؑ کا حسن عیسیٰؑ کا دم اور موسیٰؑ کا ید بیضا جو ہر ایک میں الگ الگ تھا، تو تنہا..... سب کمالات تیرے اکیلے کے پاس جمع ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ پیغمبر اکرمؐ کی تعریف ہی نہیں۔ یہ کیا تعریف ہے؟ یوسفؑ کے حسن سے پیغمبر کا کیا مقابلہ؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کسی ایچ ڈی کی تعریف کریں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ! یہ صاحب بڑے قائل ہیں، پی ایچ ڈی ہیں، یعنی ان میں پرائمری جتنی قابلیت ہے۔ اب کہاں پرائمری اور کہاں پی ایچ ڈی؟ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، پیغمبر اکرمؐ کی یوسفؑ کے ساتھ.....

سامعین!

گھبرا تو نہیں گئے آپ..... آپ کی خاموشی کو توڑنے کے لئے ایک جملہ کہتا ہوں۔ یوسفؑ کون؟ محبوب زلیخا..... محمدؐ کون؟ محبوب خدا.....

توجہ کیجئے گا، وہ محبوب زلیخا، یہ محبوب خدا، دونوں کے حسن میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زلیخا اور خدا میں ہے اور اتنا ہی فرق یوسفؑ اور مصطفیٰؐ میں ہے..... بھئی! ذرا جاگ کر صلوات

پڑھ دیں آپ محمد و آل محمد پر۔

توجہ ہے صاحبان!

کوئی تقابل ہی نہیں ہے..... بلکہ آپ مفسرین کی تفسیریں پڑھیں۔ زلیخا جو یوسف کو مادی جذبات بھڑکا بھڑکا کر اپنے قریب میں لانا چاہتی تھی اور دام میں پھنسانا چاہتی تھی، جب حسن یوسف ہاتھ میں نہ آیا تو اتنی مایوس ہوئی کہ جوانی بڑھاپے میں بدل گئی..... کمر جھک گئی بھنوس لنگ گئیں، اونچا سننے لگی، تخت و تاج سے محروم ہو گئی..... ادھر خدا کا نام اسیا ہوا کہ وہ یوسف جو مصر کے بازار میں بکا تھا، وہ مصر کے تخت و تاج کا مالک بن گیا سرکاری عملے نے زلیخا (ملکہ عالیہ) کو اٹھا کر فٹ پاتھ کے ایک کنارے پر پھینک دیا۔

توجہ کیجئے گا!

ایک دن جناب یوسف کی سواری گزر رہی تھی..... ”ہٹو بچو“ کی آوازیں باادب ملا دیں، ہوشیار کی صدا گئی۔ جب سواری وہاں سے گزری جہاں فٹ پاتھ پر زلیخا پڑی ہوئی تھی، تو ایک دم کہنے لگی، کوئی میرے قریب ہے؟ دوسرے کوئی ملازم وہاں کھڑے تھے، انہوں نے کہا، بڑھیا کیا بات ہے؟ کہا، ادھر سے یوسف تو نہیں گزرا..... کہا، بڑھیا! تجھے کیسے پتہ چلا، نظر تو تجھے نہیں آتا؟ بڑھیا نے کہا، یوسف کی خوشبو آ رہی ہے..... کوئی ہے جو مجھے یوسف تک پہنچائے؟

سپاہیوں نے کہا، تو وہی تو نہیں ہے جس نے ہمارے شہنشاہ کے دامن عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کی تھی؟ ہم تمہیں نہیں لے جائیں گے۔

کہا، نہیں مجھے لے چلو..... کہا، نہیں لے جائیں گے۔

زلیخا نے کہا، تمہیں اسی یوسف کا واسطہ مجھے اس کے قریب لے چلو۔

یہ بحث حد سے بڑھی تو اللہ کے نبی نے سن لی۔ پوچھا، کون ہے؟ کیا بات ہے؟

عملے نے عرض کیا، سرکار! وہی بڑھیا ہے جس نے آپ کے دامن کو داغدار کیا تھا..... کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا اس کو اٹھا کر دور پرے پھینک دو، مگر وہ بارگاہ نبوت تھی۔ کہا، ہم جانتے ہیں، روکتے کیوں ہو، اسے آنے دو۔

بھئی توجہ کیجئے گا!

آنے دو..... قریب پہنچی تو یوسف نے کہا، زلیخا تیرا یہ کیا حال ہو گیا۔ ٹھنڈی آہ بھر کر کہنے لگی، یوسف! تیرے حسن سے محرومی نے میرا یہ حشر کر دیا۔ یوسف! نہ میں محروم ہوتی، نہ میرا یہ حال ہوتا۔

یوسف نے کہا، ارے تم نے تو مجھے دیکھا تھا، اگر کہیں تم میرے سردار محمدؐ کو کچھ لیتیں تو پھر تمہارا کیا حال ہوتا؟

بھئی!

یہ اسم گرامی سننا تھا کہ یکدم اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور حسن کی ایک بجلی سی ٹوند گئی۔ مسکرا کر کہنے لگی، یوسف! سچ کہتے ہو، سچ کہتے ہو، اس کے مقابلے میں تمہارا حسن تو کچھ بھی نہیں!

یوسف نے کہا، زلیخا تمہیں کیسے پتہ چلا؟

زلیخا نے جواب دیا، جب آپ نے اسم محمدؐ بولا تو حسن کی بجلی چمکی۔ اب اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہو گئی، تیری محبت خدا جانے کہاں گئی۔ ایک دم جبرائیلؑ امین نازل ہوا، کہا، اللہ کہہ رہا ہے یوسف، اس کی جوانی کے لوٹانے کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دے، کیونکہ اب اس کے دل میں میرے محبوب کی محبت پیدا ہو گئی ہے..... میں کہتا ہوں، یا اللہ! جوانی تو نے دینی ہے، رعنائی تو نے دینی ہے، توانی تو نے دینی ہے، پھر کیا ضروری ہے کہ یوسف ہاتھ اٹھائے؟

کہا، دینے والے ہم ہیں، لیکن جب تک نبی کے ہاتھ کا وسیلہ نہیں بنتا ہم کچھ نہیں دیتے۔ (نعرہ رسالت)

دوستو!

دعا کے لئے ہاتھ اٹھے۔ ہاتھوں کا اٹھنا تھا کہ زلیخا کے بدن پر پڑی ہوئی جھریاں ختم ہونا شروع ہوئیں، جھکی ہوئی کمر سیدھی ہونے لگی، زلفوں کا بال بال سیاہ ہونے لگا، مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیلنے لگ گئی۔ زلیخا کا شباب پلٹ آیا، جس طرح مولا کے اشارے سے آفتاب پلٹ آیا۔

توجہ سے صاحبان!

اب حسن یوسف اور حسن مصطفیٰ میں فرق سمجھ آیا۔ یوسف کا حسن وہ حسن ہے کہ جس نے زلیخا کی جوانی کو بڑھاپے میں بدل دیا اور محمد کے حسن کی ایک جھلک وہ ہے جس نے اس کے بڑھاپے کو بھگا کر پھر سے جوانی بحال کر دی۔ (نعرہ رسالت)

(بھئی! ذرا بیدار ہو کر نعرہ تکبیر اللہ اکبر..... نعرہ رسالت یا رسول اللہ..... نعرہ حیدری یا علی!)

سامعین!

نہ سرکار دو عالم کے ہاتھ ہمارے جیسے ہیں نہ ان کی آنکھیں ہماری آنکھوں جیسی ہیں نہ ان کا چہرہ ہمارے چہروں جیسا ہے نہ ان کے قدم ہمارے قدموں جیسے ہیں۔

ارے بھیا! ہمارے ہاتھ تو ایسے ہیں کہ کوئی طاقتور جب چاہے یہ ہاتھ مروڑ کر دو گھونٹے مار کر ہمارا استیاناں کر دے۔ (بیٹھے او یا ”ز“ گئے او!..... میں کہتا ہوں اللہ کرے آپ سو جائیں اور میں کھسک جاؤں.....)

اور کھئے عزیزان محترم!

ہمارے ہاتھ ایسے کہ جب چاہے کوئی مروڑ کر دو گھونٹے مار کے توڑ دے..... بابا! یہ بھی قصیدہ ہے مگر مولوی کی زبان سے ہے۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں... (توجہ چاہتا ہوں!) ہمارے ہاتھ جو چاہے مروڑ دے اور نبی کے ہاتھ وہ ہیں کہ اشارہ کر دیں تو بادل آ جائیں، چاند کی طرف اٹھ جائیں تو چاند مشق ہو جائے، ابو جہل کی طرف اٹھ جائیں تو اس کا چہرہ فق ہو جائے..... ہمارے کان وہ ہیں کہ جو بغیر لاؤڈ سپیکر کے آواز نہیں سنتے، مگر نبی کے کان وہ ہیں کہ حکم مادر میں بھی عالم لاهوت میں چلتے ہوئے قلم کی صدائیں سن رہے ہیں میرے دانت وہ ہیں کہ جو چاہے نکال کر باہر پھینک دے، نبی کے دانت وہ ہیں کہ اندھیرے کو ٹھنڈی میں مسکرا دیں تو ام المومنین حضرت عائشہ کو گشدرہ سوئی مل جائے اور جناب خدیجہ الکبریٰ کو یکسوئی مل جائے۔ (فرق سمجھ میں آ رہا ہے..... صلوٰۃ)

سامعین!

میرا العاب دہن وہ ہے کہ کہیں تھوک دوں تو گورنمنٹ کو بورڈ لگانے پڑتے ہیں کہ ”یہاں تھوکنامع ہے، تھوکنے سے ٹی بی پھیلتی ہے.....“ اور نبی اکرم کا العاب دہن وہ ہے کہ کھارے کنویں میں ڈال دیں تو پانی کا کھارا پن دور ہو جائے، علی کی آنکھ میں لگا دیں تو سرفخی کا نور ہو جائے، کسی صحابی کے زخم پر لگا دیں تو سانپ کا زہر دور ہو جائے اور حسین کو چوسا دیں تو سینہ علم سے طور ہو جائے۔

ارے! میرے بال وہ ہیں کہ جب کوئی چاہے کاٹ کر لے جائے..... نالی پہ پھینک دے، سڑکوں پہ پھینک دے۔ مگر نبی اکرم کے بال وہ ہیں کہ خالد بن ولید اپنی ٹوپی میں رکھ لے تو جس جنگ میں جائے فتح پائے، ہرقل اپنے تاج میں رکھ لے تو درد سر سے شفا یاب ہو جائے، ابو صالح کے گھر میں رہ جائیں تو فرشتے تمام رات تسبیح و تقدیس کرتے

رہیں..... سبھی میں نہیں آتا یا رسول اللہ! جب بال کا یہ حال ہے تو آل کا کیا حال ہوگا.....  
میری عقل اور نبی کی عقل میں فرق ہے۔ میں کام کرتا ہوں عقل انسانی کی رہنمائی  
میں اور عقل انسانی بھٹک بھی جاتی ہے مگر نبی جو کام کرتا ہے وہ عقل انسانی کی رہنمائی ہی میں  
نہیں کرتا، وحی الہی کے اشارے سے کرتا ہے۔ نبی چلتے پھرتے ہیں تو وحی سے روتے کوچپ  
کراتے ہیں تو وحی سے چادر کو اڑھاتے ہیں تو وحی سے صلح میں قلم دیتے ہیں تو وحی سے  
جنگ میں علم دیتے ہیں تو وحی سے مسلمان کرتے ہیں تو وحی سے مسلمان کرتے ہیں تو وحی  
سے.....

محترم سامعین!

توجہ فرمائی آپ نے..... یاد رکھئے! زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عزیزان محترم!  
آج جب میں طرح طرح کی تحریریں پڑھتا ہوں اور عجیب و غریب داستانوں کا مطالعہ کرتا  
ہوں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ نہیں جان بوجھ کر تو نہیں البتہ کبھی کبھی غلطی کر بیٹھتا ہے.....  
ہمارا پڑھا لکھا رائٹر (Writer) یہ کہتا ہے کہ خطا کر سکتے ہیں لیکن عیسائیوں کا راہب اور  
پیشوا کہتا ہے کہ شفاء کر سکتے ہیں..... یہ کون تھا..... ورقہ بن نوفل۔ ورقہ عیسائیوں کا وہ  
پادری تھا جسے اس زمانے میں وہی مقام حاصل تھا جو آج پوپ پال کو ہے..... پوپ پال کو  
ایک باوشاہ کی سی حیثیت حاصل ہے اور پینٹین سٹی کا رہنے والا مگر جب بھی باہر جاتا ہے تو  
مشاعی استقبال کیا جاتا ہے۔ یہی ورقہ بن نوفل کی پوزیشن تھی یہ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ  
الکبریٰ کا چچا زاد بھائی تھا۔ ایک دن وہ خدیجہ کے گھر آیا تو کہنے لگا، کیا بات ہے خدیجہ  
بہن! آج کل آپ پریشان پریشان نظر آتی ہیں.....؟ خدیجہ نے کہا پریشان کیسے نہ ہوں  
نہ کوئی رفیق زندگی نہ مونس تنہائی اور نہ کوئی رفیق سفر.....!!!

ورقہ نے کہا شادیوں کے اتنے پیغام آئے اتنے رشتے آئے تم کوئی رشتہ قبول  
کر لیتیں..... خدیجہ نے کہا ورقہ میں مکہ سے باہر نہیں جانا چاہتی..... ورقہ نے کہا کہ

خدیجہ ہے سرداران قریش ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کر لو۔ خدیجہ نے کہا  
یہ سب کے سب گمراہ معلوم ہوتے ہیں۔

ب ادب!

(اگر تشریف فرما ہیں تو ان سے خصوصی توجہ کا طالب ہوں) جب خدیجہ نے کہا کہ  
سب گمراہ معلوم ہوتے ہیں تو ایک دم ورقہ نے پلٹ کر کہا سنا ہے عبداللہ کے پیغمبر کا  
پیغام آیا ہوا ہے۔ محمد کا نام سنا تو خدیجہ کے چہرے پر تبسم آ گیا، مگر پردہ دار بیٹی کی ماں  
حیاء نے نقاب ڈال دی..... (اب کیا کروں میں میرے پاس سر ہے نہ گلاؤں نہ ٹنوں  
کی وزنی ہیں وہ الفاظ جو بی بی خدیجہ کے لئے زبان سے نکال رہا ہوں)

کہا ورقہ تم باہر رہتے ہو اگر محمد مصطفیٰ میں کوئی نقص ہو غلطی ہو یا سہو ہو تو بیان  
؟ ورقہ نے کہا کہ جو غلطیاں میں نے محمد میں دیکھیں ہیں اگر بیان کروں تو ناراض تو  
ہوگی؟ خدیجہ بولی نہیں ہوں گی..... ورقہ نے کہا پھر جو عیب میں نے دیکھے ہیں سن لو  
مل عظیم جو ذکریم، ان کا حسب بے مثال ہے ان کا نسب باکمال ہے وہ کرم میں ابرتر  
طرح ہیں سخاوت میں سمندر کی طرح ہیں طہارت میں گوہر کی طرح ہیں..... خدیجہ  
بھی نے کہا ورقہ ہم نے تو کہا تھا کہ عیب بیان کرو تم نے تو اگلے فضائل بیان کرنا شروع  
دیئے۔ فضائل نہیں عیب بیان کرو۔

ورقہ نے کہا میری توجہ خدیجہ، لو اب عیب سن لو ان کی زلفیں شب دیجوز ان کی  
نی پہ نوزان کے لبوں پہ سرور ہے ان کے رخسار گلابی ہیں ان کے ہونٹ عنابی ہیں ان کی  
یاں بلوریں ہیں۔

خدیجہ نے کہا ورقہ ہم کہتے ہیں عیب بیان کرو تم نے پھر فضائل سنانا شروع کر  
دیئے..... ورقہ نے کہا معافی چاہتا ہوں خدیجہ! لو اب محبوب سنو:

وجہ قمر، جبینہ اطہر!

ان کا چہرہ قمر ہے ان کی جبین اطہر ہے، گفتگو شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ چلتے ہیں تو فرزند جمیل ہیں، آتے ہیں تو بطل جلیل ہیں اور ان کی زبان کا ہر لفظ تفسیر انجیل ہے۔  
خدیجہ نے پھر کہا، ہم کہتے ہیں عیب بیان کر دتم نے پھر فضائل سنانا شروع کر دیئے۔ تنگ آ کر روقہ نے کہا، جب محمد کی پوری زندگی میں کہیں عیب نظر ہی نہ آئے تو کہاں سے بیان کروں۔ (صلوٰۃ)

سامعین محترم!

خدیجہ کے دل نے جھوم کر کہا، کشتی کو کنار مل گیا، عاشق کو سہارا مل گیا، زمین کو افلاک کا راما مل گیا، اب اگر میں شادی کروں گی تو محمد سے کروں گی۔  
روقہ نے کہا، اگر میں تمہاری شادی محمد سے کرادوں تو انعام میں کیا دوں گی؟  
خدیجہ بولی، سارا خزیئہ تیرا اور شاہ مدینہ میرا.....

روقہ نے کہا، مجھے عطا کی ضرورت نہیں، میں نے تورات میں پڑھا ہے، انجیل میں دیکھا ہے، پور میں مطالعہ کیا ہے کہ قیامت کے دن تیرے شوہر کے علاوہ کوئی شافی محشر نہیں ہوگا، لہذا اگر تم میری شفاعت کی ذمہ داری لے لو تو یہ کام میں کراتا ہوں۔  
خدیجہ نے کہا، میں ضامن میں ضامن!!

نیاز بیگ کے مومنین!

میرا بیان سمٹ رہا ہے ہم مل کر پوچھیں یہ کوئی مسلمان تو نہیں، یہ تو عیسائی ہے Cristian ہے۔ خدیجہ بی بی آپ کس کی شفاعت کی ذمہ داری لے رہی ہیں.....  
جواب ملا، اگر محمد کے گھر نہ جا رہی ہوتی تو میرا دل دھڑکتا، الحمد للہ میں تو شفاعت کے گھرانے میں جا رہی ہوں، جیسے چاہوں گی کہہ دوں گی، احمد مختار کو کہہ دوں گی، حیدر کراز سے کہہ دوں گی، عباس و فادار سے کہہ دوں گی..... ان میں سے کسی نے میری بات نہ

مانی تو شام کے قافلہ سالار سے کہہ دوں گی۔ خدا کی قسم! عزیزو! شام کا قافلہ سالار کہ جس کا نام تو علی ہے مگر لقب ہے سید الساجدین، زین العابدین..... ماں ایران کی شہزادی، باپ عالمین کا شہزادہ..... رگوں میں شاہی خون..... عبادت کا یہ عالم کہ شیعہ سنی روایات میں ہے کہ شیطان ایک دن سانپ کی صورت میں میرے اس امام کے مصلے پر چلا گیا، میرا یہ امام مشغول نماز تھا۔ روایت میں ہے کہ سانپ صرف مصلے پر نہیں گیا، بلکہ اس نے میرے امام کا انگوٹھا منہ میں لے کر چبایا..... چہرہ امام دیکھا تو خضوع و خشوع میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ روایت کا یہ جملہ ہے کہ شیطان گھبرا کر پیچھے ہٹا اور کانپتی ہوئی آواز میں آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہنے لگا، یا اللہ! میں بھی گواہی دیتا ہوں، بے شک یہ زین العابدین ہے، بے شک یہ سید الساجدین ہے۔

عزیزان محترم!

اسی لئے امیر المومنین فرمایا کرتے تھے، بیٹا زینب! باقی بچوں کا مزاج اور ہے، زین العابدین کا مزاج اور ہے۔ اس کی ماں ایران کی شہزادی ہے، اس کا باپ عالمین کا شہزادہ ہے، اس کی رگوں میں شاہی خون ہے، اس کا مزاج بڑا نازک ہے، اس کے لئے ٹھنڈا پانی لایا کر ڈاس کے لئے نرم بستر بچھایا کرو اور دیکھو یہ بازار میں نہ نکلے پائے، اگر شاہی لہو کے بچے بازاروں میں نکلیں تو انہیں نظر لگ جاتی ہے۔

امیر المومنین نے رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو اس دنیا سے آنکھیں بند کرتے ہوئے فرمایا تھا، بیٹی زینب! بیٹی ام کلثوم! میں تاکید کرتا ہوں کہ گھر میں کوئی عورت ننگے سر اس کے سامنے نہ آیا کرے، اس کی شاہی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکے گی، بھول کر بھی ننگے سر اس کے سامنے نہ آنا۔

عزیزان محترم!

ان کا چہرہ قمر ہے، ان کی جبین اطہر ہے، گفتگو شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ چلتے ہیں تو فرزند جہیل ہیں، آتے ہیں تو بطل جلیل ہیں اور ان کی زبان کا ہر ہر لفظ تفسیر انجیل ہے۔  
خدیجہ نے پھر کہا، ہم کہتے ہیں عیب بیان کر دو تم نے پھر فضائل سنانا شروع کر دیئے۔ تنگ آ کر ورقہ نے کہا، جب محمدؐ کی پوری زندگی میں کہیں عیب نظر ہی نہ آئے تو کہاں سے بیان کروں۔ (صلوٰۃ)

سایم معین محترم!

خدیجہ کے دل نے جھوم کر کہا، کشتی کو کنار امل گیا، عاشق کو سہارا مل گیا، زمین کو ایک کا تارا مل گیا، اب اگر میں شادی کروں گی تو محمدؐ سے کروں گی۔

ورقہ نے کہا، اگر میں تمہاری شادی محمدؐ سے کر دوں تو انعام میں کیا دوں گی؟  
خدیجہ بولی، سارا خزینہ تیرا اور شاہ مدینہ میرا.....

ورقہ نے کہا، مجھے عطا کی ضرورت نہیں، میں نے تورات میں پڑھا ہے، انجیل میں دکھایا ہے، زبور میں مطالعہ کیا ہے، کہ قیامت کے دن تیرے شوہر کے علاوہ کوئی شافی محشر نہیں ہوگا لہذا اگر تم میری شفاعت کی ذمہ داری لے لو تو یہ کام میں کراتا ہوں۔

خدیجہ نے کہا، میں ضامن میں ضامن!!

نیاز بیگ کے مومنین!

میرا بیان سٹ رہا ہے، ہم مل کر پوچھیں یہ کوئی مسلمان تو نہیں، یہ تو عیسائی ہے، Cristian ہے۔ خدیجہ بی بی آپ کس کی شفاعت کی ذمہ داری لے رہی ہیں.....

جواب ملا، اگر محمدؐ کے گھر نہ جا رہی ہوتی تو میرا دل دھڑکتا، الحمد للہ میں تو شفاعت کے گھرانے میں جا رہی ہوں، جیسے چاہوں گی کہہ دوں گی، احمد مختار کو کہہ دوں گی، حیدر کراز سے کہہ دوں گی، عباسؓ وفادار سے کہہ دوں گی..... ان میں سے کسی نے میری بات نہ

مانی تو شام کے قافلہ سالار سے کہہ دوں گی۔ خدا کی قسم! عزیزو! شام کا قافلہ سالار کہ جس کا نام تو علیؑ ہے مگر لقب ہے سید الساجدین، زین العابدین..... ماں ایران کی شہزادی، باپ عالمین کا شہزادہ..... رگوں میں شاہی خون..... عبادت کا یہ عالم کہ شیعہ سنی روایات میں ہے کہ شیطان ایک دن سانپ کی صورت میں میرے اس امامؑ کے مصلے پر چلا گیا، میرا یہ امامؑ مشغول نماز تھا۔ روایت میں ہے کہ سانپ صرف مصلے پر نہیں گیا، بلکہ اس نے میرے امامؑ کا انگوٹھا منہ میں لے کر چبایا..... چہرہ امامؑ دیکھا تو خضوع و خشوع میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ روایت کا یہ جملہ ہے کہ شیطان گھبرا کر پیچھے ہٹا اور کانپتی ہوئی آواز میں آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہنے لگا، یا اللہ! میں بھی گواہی دیتا ہوں، بے شک یہ زین العابدین ہے، بے شک یہ سید الساجدین ہے۔

عزیزان محترم!

اسی لئے امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے، بیٹا زینب! باقی بچوں کا مزاج اور ہے، زین العابدین کا مزاج اور ہے۔ اس کی ماں ایران کی شہزادی ہے، اس کا باپ عالمین کا شہزادہ ہے، اس کی رگوں میں شاہی خون ہے، اس کا مزاج بڑا نازک ہے، اس کے لئے ٹھنڈا پانی لایا کرو، اس کے لئے نرم بستر بچھایا کرو اور دیکھو یہ بازار میں نہ نکلنے پائے، اگر شاہی لہو کے بچے بازاروں میں نکلیں تو انہیں نظر لگ جاتی ہے۔

امیر المومنینؑ نے رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو اس دنیا سے آنکھیں بند کرتے ہوئے فرمایا تھا، بیٹی زینب! بیٹی ام کلثوم! میں تاکید کرتا ہوں کہ گھر میں کوئی عورت ننگے سر اس کے سامنے نہ آیا کرے، اس کی شاہی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکے گی، بھول کر بھی ننگے سر اس کے سامنے نہ آنا۔

عزیزان محترم!

بہ نہیں پڑھ سکتا، کل تفصیلی مصائب سناؤں گا، آج صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ اتنا غیرت ہی غیرت کا مالک بچہ کیا اس قائل تھا کہ ننگے سراؤں، بہنوں کو ساتھ لے کر کبھی کونے میں اور کبھی شرابی کے دربار میں جاتا؟

بیک والو!

خدا تجھے کسی غم میں نہ دلائے۔ دنیا مجھے بھی سید کہتی ہے، حقیقت کی خبر صرف اللہ کو تہ مصائب میں نہیں پڑھ سکتا، اس لئے کہ میرے سینے میں درد ہونے لگتا ہے۔ جب اس امام کے القاب پڑھے تو ایک لقب تھا غیرت اللہ..... اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ القابات ہیں اور ایک لقب غیرت اللہ ہے یعنی اللہ کی غیرت۔ تو کیا ہوگی اس دل پر جب امام سجادؑ ابن زیاد ملعون کے دربار میں جھکڑیوں اور جھکڑے ہوئے لائے گئے، تو تھر تھر کانپ رہے تھے..... عبداللہ بن عمیر نامی ایک شخص نے کہا، مولانا میں نے اسی دربار میں مسلم بن عقیل کو دیکھا، وہ زخمی تھے، جھکڑیوں کی چہرہ مبارک سے لبو بہہ رہا تھا، مگر وہ تو کانپ نہیں رہے تھے بلکہ ابن زیاد کی جھکڑیوں میں آنکھیں مال کر بات کر رہے تھے..... مولانا! آپ کانپ کیوں رہے ہیں؟ میرے بیمار امامؑ نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا، تو نے انصاف نہیں کیا، مسلم کے انداز اور تھا، میرے آنے کا انداز اور ہے۔ مسلم اکیلا تھا، لیکن میں جب سر اٹھا کر تو مجھے اماں کا کھلا سر نظر آتا ہے، کہیں بہنیں کھلے سر ہیں تو کہیں پھوپھیوں کے سر ہیں..... خدا شاہد ہے، ان امتحانات سے گزرنا اسی معصوم کا کام تھا۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اللہ نے سجادؑ کی جگہ شہزادہ علی اکبرؑ کو کیوں نہ بچالیا، میں نہ بچالیا، مگر یاد رکھو، سجادؑ کو امامت کا ملنا اس امر کی دلیل ہے کہ جن سختیوں سے گزرنا کوئی نہ گزرنا..... تاریخ وہ دردناک منظر کبھی نہیں بھول سکتی جب ابن زیاد قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے حسینؑ کے عاشق قیدی کو جو زندان میں بند ہے

جائے۔ اس کا نام مختارؑ ہے، مختارؑ کا نام آیا، نبی زادوں کا دل گھبرایا کہ ہمارا مختارؑ ہمیں آج عام میں دیکھے گا۔ خدا کی قسم! بی بی زینبؑ نے بی بی فاطمہؑ کے پیچھے سر چھپایا، ان کے پیچھے بی بی ام کلثومؑ نے سر چھپایا اور جو ساڑھے تین سال کی پردہ دار تھی، اس نے دونوں ہاتھ اس (چہرے پر) رکھ لئے۔

مختارؑ زنجیروں میں جکڑا ہوا لایا گیا، وہ ابن زیاد کی طرف سے منہ موڑ کر کھڑا ہوا۔ کسی نے کہا، مختارؑ امیر کو سلام کر۔ اس نے انگڑائی لی تو جھکڑیاں ٹوٹ گئیں، مختارؑ کہنے لگا، ہاں کو روک، یہ میرا امیر نہیں۔ اس شخص نے کہا، تیرا امیر کون ہے؟..... مختارؑ نے کہا، میں اس دربار میں اپنے امیر کا نام کیوں کر لے سکتا ہوں؟ اتنے میں ابن زیاد کے منہ سے نکل گیا، حسینؑ کے علاوہ کسی کو امیر نہیں مانتا..... حسینؑ کا نام آنا تھا، مختارؑ نے تڑپ کر کسی سپاہی کی دوار پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا، خبردار! اپنی نجس زبان سے میرے معصوم امامؑ کا نام نہ لو..... وہ سون کہنے لگا، اگر میں تیرے معصوم امامؑ کو اسی دربار میں ملا دوں تو کیا انجام دے گا؟..... مختارؑ نے جواب دیا، اسے آ رہا تھا، اسے کچھ پتہ نہیں تھا..... کہنے لگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے نجس دربار میں میرا امامؑ آ جائے.....

ابھی یہ جملے ختم نہیں ہوئے تھے کہ اس ملعون نے تھال سے رد مال ہٹا دیا۔ ادھر رد مال ہٹا، ادھر مختارؑ کی نظر میرے امامؑ کے سر پر پڑی، دونوں آنکھیں بند کر کے کہتا ہے:

السلام علیک یا ابن فاطمة الزہراء! السلام علیکم یا بن

رسول اللہ!

میرے مرشد حسینؑ تو اس عالم میں اس نجس دربار میں کیسے آ گیا؟ مختارؑ نے سپاہیوں کو حاکم بن کر جو حملہ کرنا چاہا تو دربار میں پھل مچ گئی۔ کسی نے مختارؑ کا دامن کھینچا..... وہ پتھر سے کہتا ہے، کون ہے تو میرا دامن کھینچنے والا؟ پیچھے سے بیڑیاں بٹیں، زنجیریں چھٹکیں، واز آئی، چچا مختارؑ! جنگ نہ کرنا..... پھوپھیاں میرے ساتھ ہیں، بہنیں میرے ساتھ ہیں۔

## مجلس پنجم

حضراتِ محترم!

دین کے راستے میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے..... ارشاد خداوندی ہے:

فَلْتَبِينَ الرُّشْدَ مِنَ الْغَىٰ

”ہم نے نیکی اور بھلائی کے راستے کو گمراہی کے راستے کے مقابلے

میں بڑا واضح کر کے دکھایا ہے۔“

عزیزانِ محترم!

جہاں تک دین کے مفہوم کا تعلق ہے، تو ہر ایک نے اپنی عقل، اپنے علم اور اپنے فہم کے مطابق دین کے معنی بیان کئے ہیں۔ کسی نے کہا دین کا معنی ہے بدلہ کسی نے کہا دین کا مطلب ہے جزا..... ہر مسلمان اپنی بیٹکانہ نماز میں سورہ حمد پڑھتا ہے:

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

”یا اللہ! تو مالک ہے دین کے دن کا۔“

مخازن نے کہا سید الساجدین تو کس طرح پھوبھیوں کے ہمراہ اس نجس دربار میں آ

گیا؟

این این علی؟ این این عباس؟ این این قاسم؟

”علی اکبر کہاں چلا گیا؟ عباس کہاں چلا گیا؟ قاسم کہاں چلا گیا؟“





(پہلے) میں کہہ رہا ہوں کہ میں قبرستان میں کیوں بول رہا ہوں؟ دیکھئے! آج میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ ظاہر ہے کہ میں پوری رباعی پہ تبصرہ نہیں کر سوں گا، لیکن یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جو آج رہ جائے گا، انشاء اللہ کل اس کی تکمیل کروں گا۔

عزیزانِ محترم!

(کچھ آپ کو شش کریں، کچھ میں کرتا ہوں) اعتراض سمجھ آیا؟ اس نے کہا کہ یہ رباعی خولجہ کی نہیں ہو سکتی کہ دوہم معنی لفظ خولجہ نے ایک مصرعے میں کیوں رکھ دیئے؟ شاہ کے بھی وہی معنی ہیں، بادشاہ کے بھی وہی معنی ہیں۔ جب میرے سامنے ڈسٹری آئی اور میں نے کھول کر پڑھا، تو میں نے خولجہ کی معرفت کو سلام کیا۔ جب میں نے شاہ کے معنی دیکھے تو لکھا ہوا تھا شاہ کے معنی ہیں "Universal Hero" جہاں تک "Universe" ہے جہاں جہاں تک کائنات ہے، جہاں جہاں تک اللہ کے عالمین ہیں، ان کے ہیر دیں تو حسین..... (نعرہ حیدری)

مگر جب میں نے بادشاہ کے معنی پڑھے تو لکھے ہوئے تھے کہ بادشاہ کے معنی ہیں "King of the Earth" "زمین کا حکمران"..... گویا زمین کے حکمران کو بادشاہ کہتے ہیں اور کائنات کے حکمران کو شاہ کہتے ہیں۔ اب خولجہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یونیورسل ہیر دیں بھی ہے تو حسین اور زمین کا بادشاہ بھی ہے تو حسین..... (نعرہ حیدری، حسینیت زندہ باد)

عزیزانِ محترم!

اب یہ یونیورس کتنی ہے، یہ کائنات کتنی ہے، اس پہ تبصرہ پھر کسی دن آج میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میں پھر ایک سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا کہ شاہ کی جو حکومت ہے وہ پوری کائنات ہے اور خولجہ نے اس کا پہلے ذکر کر دیا اور پھر کہا کہ زمین کا بادشاہ بھی حسین ہے۔ تو زمین کی حکومت چھوٹی، شاعری کے اصول کے حساب سے پہلے چھوٹی

حکومت کا ذکر ہونا چاہئے تھا، پھر بڑی حکومت کا..... لیکن خدا کی قسم! جب معرفت کی نگاہ سے دیکھا تو خولجہ کی عظمت اور نگہ گئی، اس لئے کہ اگر خولجہ صاحب پہلے کہتے کہ حسین بادشاہ ہے، یعنی زمین کا حکمران ہے اور پھر کہتے کہ شاہ ہے، یعنی کائنات کا حکمران ہے، تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ آتا کہ حسین پہلے چھوٹا تھا، پھر ترقی کرتے کرتے بڑا ہو گیا۔ (نعرہ حیدری)

اور یہ بھی ہے کہ ہر فاتح دعویٰ کر سکتا ہے کہ زمین کا حکمران میں ہوں تو خولجہ نے ایک معیار مقرر کر دیا تاکہ ہر دعویٰ دار کا منہ بند ہو جائے، جو کہے کہ زمین کا حکمران میں ہوں، پہلے وہ شاہ بن کے دکھائے، بعد میں وہ زمین کا بادشاہ کہلائے گا (توجہ ہے یا نہیں ہے) اور یہی وجہ ہے دوستو کہ اب خولجہ نے یوں کہہ دیا:

عزیزانِ محترم! میرے شیعہ سنی بھائیو!

حسینؑ کائنات کا ہیر، کائنات کا بادشاہ حسینؑ، جہاں جہاں تک خدا کی خدائی ہے، وہاں وہاں تک حسینؑ کی شاہی ہے۔ اب کہیں گے دلیل کیا ہے؟ دلیل اس کی یہ ہے کہ رعایا کا فرض ہے کہ شاہ کی خوشی میں خوشی منائے اور بادشاہ کے غم میں غم زدہ ہو۔ خولجہ نے جب کہا کہ حسینؑ کائنات کا شاہ ہے تو میں نے پہلے تو اس کی خوشی دیکھی، خوشی کب ہوئی، جب ۳ شعبان کو وہ شاہ اس کائنات میں ظاہر ہوا۔ دنیا کی ملکوتی طاقتیں جبرائیلؑ کی قیادت میں سرکارِ دو عالم کو شہزادے کی مبارک باد دینے چلے..... (توجہ کیجئے!) جبرائیلؑ سید الملائکہ کی قیادت میں کائنات کے فرشتے مبارک باد دینے جا رہے ہیں اور یہ جو کچھ ہیں، عرض کر رہا ہوں، یہی برادرانِ اہل سنت نے بھی لکھا ہے اور شیعوں نے بھی لکھا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو فرشتے جا رہے ہیں، ان کا کام کیا ہے؟ تو ہر ایک نے لکھا کہ فرشتوں کا منصب یہ ہے کہ جب سے کوئی فرشتہ پیدا ہوا ہے اور جس عالم میں پیدا ہوا ہے، قیامت تک اسی عالم میں رہے۔ رکوع والا قیامت تک رکوع میں رہے گا، قیامت والا قیامت تک قیامت میں رہے گا، سجدے والا قیامت تک سجدے میں رہے گا، قعود والا قیامت تک قعود میں رہے گا، تشہد والا قیامت تک

شہد میں رہے گا جو تسبیح پڑھ رہا ہے وہ قیامت تک تسبیح پڑھتا رہے گا۔ مگر یہ کائنات میں کون شہزادہ آیا کہ کائنات کے جتنے بھی فرشتے ہیں انہوں نے عبادتیں چھوڑ دیں رکوع والے نے رکوع چھوڑا سجدے والے نے سجدہ چھوڑا قیام والے نے قیام چھوڑا مبارک باد دینے چلے گئے۔ (نعرۂ حیدری)

سامعین!

اور عجیب بات یہ ہے کہ جتنے فرشتے بھی جبرائیل کی قیادت میں چلے انہوں نے آج اپنا روٹ ہی بدل لیا۔ (توجہ چاہتا ہوں!) یہ روٹ کیسے بدل لیا؟ یہ لاکھوں فرشتے وہاں سے گزرے جہاں ایک مغضوب فرشتہ جس کے بال دہر چھن چکے تھے شیعوں نے اس کا نام ”فطرس“ لکھا ہے اور اہل سنت کے علماء نے اس کا نام ”قلقائیل“ وہ بیچارہ مغضوب حالت میں ایک داوی میں پڑا تھا۔ صدیاں گزر گئیں بال دہر چھن گئے..... یہ معتوب کیوں ہوا؟ کچھ نے لکھا ہے کہ اس کا سبب ترک اولیٰ تھا اور کچھ کا خیال ہے کہ اس سے گناہ سرزد ہوا تھا۔

فقہ جعفریہ نے کہا کہ نہیں ترک اولیٰ ہوا تھا اس لئے کہ معصوم سے گناہ ہوتا ہی نہیں ہاں البتہ ترک اولیٰ کی گنجائش ہے۔ ترک اولیٰ کسے کہتے ہیں؟ منصب کے اعتبار سے رتبے کے اعتبار سے کسی ایسے کام کا کرنا جو شایان شان نہ ہو..... پتہ نہیں میں سمجھا سکا کہ نہیں مثال دوں۔

کیوں بھائی! ایئرپورٹ پر کبھی گئے ہیں آپ؟ وہاں پر ایک ٹاور بنا ہوا ہے اس میں ایک شخص بیٹھا ہوتا ہے جس کا کام ہوائی جہاز کو اڑانا اور ایئرپورٹ پر اتارنا ہوتا ہے۔ گویا ایئرپورٹ سے ہوائی جہاز کا اڑانا اور اسے ایئرپورٹ پر اتارنا پائلٹ کا کام ہے اور اگر یہی کام وزیراعظم شروع کر دے تو اسے کہتے ہیں ترک اولیٰ..... اس کی سزا ملتی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

سامعین!

سمجھ میں آیا ہے مسئلہ یا نہیں یعنی کسی بڑے کام کو چھوڑ کر کوئی چھوٹا کام کر لو اور سب بڑا ہو تو ایسے سمجھ کو ترک اولیٰ کہا جاتا ہے۔ فطرس بیچارے سے بھی ترک اولیٰ ہوا۔ فرشتوں سے پڑا تھا بے بال دہر..... اس نے فرشتوں کی فوج دیکھی تو کہنے لگا کہ کہاں کا شہزادہ ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا شہزادہ حسین کی ولادت ہوئی ہے مبارک باد دینے جا رہے ہیں۔ فطرس نے تڑپ کر کہا تو پھر مجھے بھی نجات کا پروانہ ملنے والا ہے۔ جبرائیل نے بھی ساتھ لے چلو۔ فرشتوں نے اسے اٹھایا اور خدمت رسول میں پہنچا دیا۔ رسول خدا نے پوچھا اسے کیسے لائے ہو؟ جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بہتر جانتے ہیں اس سے ترک اولیٰ ہوا تھا یہ صدیوں سے معتوب پڑا تھا۔ رسول معظم نے فرمایا پھر یہاں کیوں لائے ہو؟

جبرائیل نے سر جھکا کر کہا یا رسول اللہ! بڑے بڑے گھروں میں شہزادوں کی ولادت ہوتی ہے تو قیدیوں کو بھی نجات ملتی ہے۔ سرکار نے فرمایا صدیاں گزر گئیں آدم کا دور بھی گزر گیا نوح کا دور بھی گزر گیا ابراہیم کا دور بھی گزر گیا موسیٰ و عیسیٰ کے ادوار بھی گزر گئے میری اتنی عمر گزر گئی لیکن تمہیں اب خیال آیا؟ کہنے لگے شہزادہ بھی تو اب آیا ہے!

رسول اللہ نے کہا اس کا مطلب ہے میرے پاس نہیں لائے ہو جس کے لئے لائے ہو جاؤ اس کے گوارے ہی سے مس کر دو۔ جیسے ہی فرشتوں نے فطرس کے جسم کو گوارا حسین سے مس کیا تو چھنی ہوئی تو انائی اور گئی ہوئی رعنائی زلیخا کے شباب اور ڈوبے ہوئے آفتاب کی مانند پلٹ کر واپس آ گئی.....

فطرس نے عرض کیا سرکار! ترک اولیٰ ہو گیا تھا..... وہ اس طرح کہ میں نے اپنی رعنائی اور بھرپور توانائی کو دیکھا تو دل ہی دل میں سوچا کہ میں تو اپنی دو ہی پروازوں میں

پورے عالم کو سمیٹ لوں گا یہ کہہ کر میں نے پرواز شروع کر دی۔ میں اڑتا چلا گیا، اڑتا چلا گیا، اڑتا چلا گیا، کائنات پھیلتی چلی گئی، میں اور تیز ہوا، اللہ کا عالمین اور بڑھتا چلا گیا، جب میں تھک گیا تو میں نے کہا کہ یہ کائنات تو ختم ہی نہیں ہو رہی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہیں پر کھڑا تھا جہاں سے چلا تھا۔ (نعرہ حیدری)

ارے! اتنی بڑی یونیورس! اتنی بڑی کائنات! میری طاقت پرواز جواب دے گئی تو اللہ نے کہا، فطرس تو نے میرے عالمین کو کیا سمجھا ہے؟ تجھے اپنی قلیل سی طاقت پہ اتنا غرور.....! ہم غرور کی سزا دیتے ہیں اور بال بد چھین لیتے ہیں۔

یا رسول اللہ! میرے بال بد چھین گئے اور مجھے وادی غضب میں پھینک دیا گیا، صدیاں گزر گئیں اور آج جب یہ وقت آیا تو جبرائیلؑ کا ممنون ہوں کہ وہ مجھے یہاں لے آیا۔ فطرس نے پر پرواز کھولے اور یہ کہتے ہوئے آسمانوں کی جانب اڑا:

من مثلی

”کون ہے میری طرح، کون ہے میری طرح؟؟“

ارے ہم نے کہا، فطرس تجھے کیا ہو گیا، پھر وہی غرور، پھر وہی تکبر!! جس تکبر کی تجھے سزا ملی تھی۔ اس نے کہا، پہلے غرور کیا تھا ولیل میرے پاس نہیں تھی، اب میرے پاس دلیل ہے۔ کسی میں ہمت ہے تو سزا دلا کر دیکھے:

انا عتیق الحسینؑ

”میں حسینؑ کا آزاہ کردہ غلام ہوں۔“ (نعرہ حیدری)

عزیزان محترم!

مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس وقت کچھ کم ہے کہ میں تفصیل میں جاؤں..... البتہ وعدہ کر چکا ہوں کہ کل اس سے آگے چلوں گا، آج صرف اتنا کہتا ہوں کہ فطرس کو سزا ملی آسمانوں میں (توجہ کا طالب ہوں!) میرے دوست اخباروں میں روزانہ پڑھتے ہیں کہ

ڈیپلائٹر ملک چھوڑ گئے، کوئی لندن، کوئی امریکہ، کوئی فرانس، کوئی دبئی۔ گورنمنٹ کو ہمت، ڈالا ہوا ہے ان لوگوں نے، گورنمنٹ بین الاقوامی پولیس سے رابطے کرتی ہے کہ اب ہمارا ایک مجرم آیا ہے، واپس کر دو..... تو گویا ڈیپلائٹر بھاگ جاتے ہیں..... کیوں گتے ہیں؟ صرف اس لئے بھاگتے ہیں کہ اس ملک کی حدود میں رہیں گے تو سزا ملے گی، من ملک کو چھوڑ کر سرحد پار کر کے دبئی پہنچ جائیں گے تو وہاں یہاں کا قانون نہیں چلے گا، لندن میں ہوں گے تو یہاں کا قانون، ہمیں وہاں پکڑ سکتا ہے نہ سزا دے سکتا ہے۔ اسی طرح فطرس نے ترک اولیٰ یا جرم کیا ہے آسمانوں پر مگر اس کی معافی ملی ہے زمین پر..... بھی! یہاں اس نے جرم کیا وہیں معافی ملتی! یہاں معافی کیسی؟ تو فطرس نے آواز دے کر کہا، بولوی! جس سے معافی ملی ہے تو اس کی حدود کو نہیں جانتا۔ خوب سے پوچھ:

شاہ ہست حسینؑ (نعرہ حیدری)

پوری کائنات کا ہیرو ہے حسینؑ، پوری یونیورس کا شاہ ہے حسینؑ۔ یہ خوب ہے! جمیری نے یونہی نہیں کہہ دیا، شاہ ہست حسینؑ! پھر اس نے کہا، بادشاہ ہست حسینؑ، زمین کا بھگن کر حکمران ہے تو حسینؑ..... پڑھے لکھے حضرات بیٹھے ہیں، دور دور سے آئے ہوئے لوگ یہاں تشریف فرما ہیں، مطالعہ کیجئے! خدا کی قسم! اس دنیا پر جتنی بڑی حکومت یزید کو ملی.....

یہ پورا مسقط یزید کی حکومت میں شامل تھا۔ یہ دوئی، یہ عمان، یہ پورا گلف یزید کی سلطنت میں شامل تھا..... اور یہ شرق و بخارا، افغانستان، تاجکستان، روسی ترکمانستان، یہ سبھی یزید کی حکومت میں شامل تھے۔ پورا ترکی یزید کی حکومت کا حصہ تھا، پورا شام، اسرائیل، اردن (Jordan)، عراق، یہ سب یزید کی حکومت میں شامل تھے۔ اس سے آگے چلیں تو پورا مصر، تاجیکریا اور اس سے آگے حبشہ اور ایتھوپیا کا علاقہ بھی یزید کی سلطنت میں شامل..... پورا سعودی عرب بھی یزید کی سلطنت تھا اور اس کی سلطنت کا دائرہ چین کے صوبہ سکیان تک محیط تھا اور روم کی سلطنت کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا..... میں نے تحقیقی جائزہ لیا تو یزید کی

نہیں ہو گیا تھا کہ وہ حرام کو حلال بنا رہا تھا اور حلال کو حرام کر رہا تھا یہاں تک کہ بہنوں سے نکاح کو جائز قرار دے رہا تھا اور جو دل میں آئے کئے جا رہا تھا۔ معاف کیجئے گا! اس کو علم تھا کہ میری زبان سے نکلنے والا ہر لفظ قانون ہے..... آپ تو خوش نصیب ہیں کہ آپ نے اس زمانے میں یزید کو دیکھا نہیں، آپ تو آج دیکھا ہے یزید کو کہ جیسے فاطمہ کے لال نے گالی بنا کر رکھ دیا ہے..... (صلوٰۃ)

سامعین!

وہ اتنا چھوٹا نہیں تھا جتنا آج آپ کی نگاہوں میں ہے۔ کتنا بڑا ایپائزر (Empire) اس کے پاس تھا کہ جس کا نام سلطنت یزید تھا۔ اس سلطنت کے ہر ہر فرد نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی تھی تمام لوگ اسے اپنا بادشاہ مان چکے تھے۔ البتہ ساری دنیا کسی کو نہیں مانتی یہ پولیٹیکل سائنس اور سیاست کے اصولوں کے خلاف ہے نہ آج کسی حکمران کو سب مانتے ہیں نہ گزشتہ ادوار میں ایسا ہوتا تھا، صرف اکثریت مانتی ہے۔ یزید کو بھی اکثریت اپنا بادشاہ تسلیم کر چکی تھی اور اس کی بیعت کر چکی تھی پھر اسے کیا فرق پڑتا تھا کہ ایک حسین ابن علی نے اس کی بیعت نہیں کی؟ اس کی نیندیں کیوں حرام ہو گئیں؟ اسے تو چاہئے تھا کہ وہ توجہ بھی نہ کرتا حسین کی طرف کیونکہ یہ اصول سیاست کے خلاف ہے۔ مگر اس نے اپنی ساری توانائیاں، ساری دولت، سارا خزانہ، ساری ملٹری، سارے سپاہی، سارے عوام ایک فاطمہ کے لال کے پیچھے لگا دیئے، کیوں پیچھے پڑ گیا وہ حسین کے؟

یاد رکھئے! صرف اس لئے کہ ساری دنیا نے بیعت کر لی تو بھی اس بے ضمیر کا ضمیر یہ گواہی دے رہا تھا کہ سب کی بیعت ایک طرف اور حسین ایک طرف..... اگر حسین میری بیعت نہیں کرتا تو نہ میری سلطنت ہے نہ شای ہے۔ یعنی اس کا ضمیر مطمئن نہ تھا کہ یہ سب کچھ حقیقی معنوں میں کچھ ہیں۔ بادشاہ ہست حسین..... (نعرۂ حیدری)

ہے دوستو!

خدا شاہد ہے کہ خواجہ اجیرئی نے یوں ہی یہ نہیں کہہ دیا ہے  
شاہ ہست حسین، بادشاہ ہست حسین  
دین ہست حسین، دین پناہ ہست حسین

پھر کہا، حسین دین بھی ہے اور صرف دین ہی نہیں وہ تو دین کو پناہ دینے والا بھی ہے۔ خواجہ اجیرئی یہ بھی کہہ سکتے تھے ”دین پرست ہست حسین“ کہ حسین دین پرست ہے۔ اس نے دین پرست کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ کہا دین پناہ ہست حسین..... اب اس سے زیادہ آسان میں نہیں کر سکتا۔ افسوس کہ میرے پاس وقت بھی نہیں کہ بتاؤں کہ دین پناہ کیا ہوتا ہے۔ آپ تو لاہور کے رہنے والے ہیں، پرانا لاہور دروازوں میں گھرا ہوا ہے، مٹھائی دروازہ ہے، موچی دروازہ ہے، لوہاری دروازہ ہے، موری دروازہ، کچی دروازہ ہے..... کتان بھی دروازوں میں گھرا ہوا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جتنے بھی بڑے بڑے شہر ہیں ان دروازوں میں بند تھے ان کے گرد دیوار کھنچی ہوتی تھی تاکہ ڈاکو آئیں، حملہ آور آئیں اور شہر پر حملہ کریں، دروازے بند ہو جایا کرتے تھے اور دیوار سے شہر کا دفاع ہوا کرتا تھا، ڈینٹس ہوتا تھا، دیوار حملہ آوروں کو روک لیتی تھی۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا، خواجہ اجیرئی یہی بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کی نگاہوں میں اس کا قیمتی ترین شہر دین تھا، یزید جیسے ڈاکو نے اس پر حملہ کیا تو حسین دین پناہ بن کر سامنے آیا۔ (نعرۂ حیدری)

سامعین!

(اللہ آپ کو سلامت رکھے، آباد رکھے، میں نیاز بیگ والوں میں ڈر ڈر کر بولتا ہوں، اس لئے تفصیل میں نہیں جاتا) خواجہ نے کہا، حسین صرف دین ہی نہیں، دین پناہ بھی ہے تو اب دین کس چیز کا نام ہے؟ یہ کل بتاؤں گا کہ دین اصول دین اور فرد دین کے مجموعے کا

توجہ چاہتا ہوں!

اصول دین میں پہلا ہے توحید۔ خواجہ نے کہا 'دین پناہ بن کر حسین نے پہلے توحید پچائی۔ (توجہ چاہتا ہوں!) حسین نے توحید کیسے پچائی؟ اس طرح کہ یزید کا مقابلہ حسین سے تھا ہی نہیں وہ تو یہ کہہ کر حسین کا مقابلہ کر رہا تھا کہ بنو ہاشم نے حکومت کا دھوگ چایا تھا نہ کوئی وحی آئی نہ کوئی کتاب ہے نہ نبوت نہ رسالت نہ توحید۔ گویا یزید کی فکر حسین سے نہیں ہو رہی تھی وہ اللہ سے فکر رہا تھا۔ اللہ نے کہا 'یزید تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا' میں میں سچا ہوں..... اللہ نے فرمایا 'نہیں سچا تو میں ہوں۔ اب اگر اللہ ہارتا تو یزید جیتتا اور یزید ہارتا تو اللہ جیتتا..... اللہ نے کہا 'آکسی کھلی عدالت میں فیصلہ کروالیں کہ سچا کون ہے؟ یزید نے چیخ مچا کر کہا 'کر بلا کا میدان عدالت بن گیا۔ اللہ نے کہا 'جتنے تیرے گواہ ہیں انہیں لے آ۔ وہ اپنے گواہ لایا 'خزانے فوجیں رنے کی گورنری..... اور اللہ نے کہا 'کوئی ہے جو میری توحید کا گواہ بن کر اس کے مقابلے کو نکلے؟ ساری دنیا خاموش رہی کوئی نہ اٹھا ایک سینے والی ماں کا بیٹا اٹھا..... اس نے کہا 'یا اللہ! تو فکر نہ کر میں دوں گا حیرتی توحید کی اہی.....!

یزان محترم!

اللہ نے کہا 'شاہد حسین! کر بلا کی عدالت میں جتنے گواہ تمہارے پاس ہیں لے جا..... اور حسین نے جتنی ضروری ضروری مسلمین تحریریں اور کاغذات تھے وہ لے کر کے اونٹوں پر لاو لئے۔

وقت نہیں ہے میرے پاس آج میں صرف اشارہ کر کے ہی چلا جاؤں گا' سات کل بیان کروں گا..... حسین عجیب عجیب مسلمین لے کر چلا کوئی ڈیڑھ سو سال کا

کاغذ تھا کوئی ۳۲ سال کی تحریر تھی کوئی ۱۸ سالہ مسل تھی کوئی ۱۳ سال کی تحریر تھی..... اور اس کو تو جوصلے سے سننا کوئی ۶ ماہ کی تحریر بھی تھی..... حسین یہ سب لے کر روانہ ہوا۔ بہن سے کہا 'زینب تم بھی چلو۔ کسی نے آواز دی 'حسین تم تو توحید کی گواہی کے لئے جا رہے ہو زینب کو کیوں ساتھ لئے جا رہے ہو؟ کہا بڑا لمبا مقدمہ ہے.....؟ حسین نے کہا 'ہاں بہت لمبا مقدمہ ہے دو میدانوں میں جیتنا ہے ایک کر بلا اور دوسرا شام!! دونوں بہن بھائی ایک ایک میدان فتح کریں گے۔ زینب نے یہ جملہ سن لیا 'کہا اچھا حسین فکر نہ کر جو آسائے میدان ہو وہ تو لے لے اور جو مشکل میدان ہو وہ مجھے دے دے برابر شریک نہ رہوں تو شریک نہ کہنا۔

حسین نے کہا 'میری بہن یاد رکھو! جب کر بلا کے میدان میں اللہ رب العزت کے حق میں گواہیاں ہو جائیں اور فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو تم میرے بچے ہوئے کاغذات لے کر شام چلی جانا اور وہاں ایک شرابی کی سلطنت نیلام کر کے میری ڈگری کا اجراء کروالینا۔

عزیزو!

۲ محرم کو بہن بھائی کر بلا پہنچے ۲ سے لے کر ۹ تک حسین مقدمے کی تیاری میں مصروف رہے۔ ایک ایک مسل کو دیکھا ایک ایک مسل کا جائزہ لیا 'شب عاشور کو ضروری ضروری کاغذات چھانٹ لئے اور غیر ضروری کاغذات کو جلا کر چراغ گل کر دیا۔ صبح عدالت میں کیس پیش ہوا 'بہن گواہ کو تیار کرتی 'حسین عدالت میں کھڑا کر دیتا۔

نیاز بیگ والو!

گواہ تب معتبر ہوتا ہے جب فریق مخالف جرح کرے۔ جرح کا مطلب عربی میں زخمی کرنا ہوتا ہے۔ حسین کے ایک ایک گواہ پر بڑی جرح ہوئی (بھگت! اس سے زیادہ)

میں بیان نہیں کر سکتا) حسینؑ کے ہر ایک گواہ پر بڑی جرح ہوئی اور ایک ۱۳ سالہ مسل پر تو اتنی جرح ہوئی اتنی جرح ہوئی اتنی جرح ہوئی کہ میرے بارہویں امامؑ نے آواز دے کر کہا میرا سلام ہو اس نازک مسل پر کہ جس کے پہلے صفحے پھٹ کر آخر میں چلے گئے اور جس کے آخری صفحے پھٹ کر پہلے صفحوں کی جگہ آ گئے۔

عزیزو!

جب اے گواہیاں منظور ہو گئیں اور فیصلہ اللہ کے حق میں ہو گیا تو حسینؑ کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا..... خیمے میں آ کر کہا، بہن مبارک ہو میں مقدمہ جیت گیا، اللہ کے حق میں جیت گیا۔

نائبؑ نے کہا، حسینؑ تجھے بھی مبارک ہو۔

حسینؑ نے کہا، بہن! اب لباس لے کر آ، مجھے بھی تیار کر کہ میں اپنی گواہی کا حق ادا کر سکوں۔

بہن نے لباس دیا، بھائی حق ادا کرنے چلا۔ چلتے چلتے سب کو دیکھ کر کہنے لگا، مقدمہ تو میں جیت گیا ہوں اب میں ”احکم الحاکمین“ کے دربار میں جانے لگا ہوں۔ سخی ابن سخی ہوں، خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم آتی ہے، تمہارے پاس کوئی ایسا تحفہ ہے جو مجھے دے سکے؟ زینبؑ نے کہا، حسینؑ میرے دو ہیرے تھے جو تیرے کام آ گئے۔

اکبرؑ کی ماں نے کہا، میزا ایک عقیق تھا وہ تجھ پر کٹ گیا، حسنؑ کی بیوہ نے کہا، میرا ایک زمرہ تھا تجھ پر قربان ہو گیا۔ (شریف لہو کے لئے ایک جملہ کہتا ہوں یعنی جو تجھے مخالف کا تبادلہ کرتے ہیں وہ ذرا غور سے سنیں!)

جب کوئی تحفہ نظر نہ آیا تو اچانک ایک کونے سے بی بی ربابؑ کی آواز آئی، میرے پاس نیلم کا ایک ٹکڑا ہے، حسینؑ فکر نہ کر یہ نیلم حاضر ہے۔

(مجھے حکم دیا گیا تھا کہ شہزادہ علیؑ اصغرؑ کی شہادت پر ہوں وقت نہیں ہے بڑھنے

لے یہ شہادت پڑھتے رہیں گے اشارہ کر کے آگے بڑھتا ہوں.....) نیلم صرف اسی لئے کہا کہ تین دن کی پیاس سے اصغرؑ کا رنگ نیلا ہو گیا تھا، منٹیاں بند تھیں، آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

ایسے یحییٰ کی بیٹی اس کی ماں تھی، اتنے بڑے گھرانے کی بیٹی بیاہ کر آئی ہوئی تھی حسینؑ مولانا کے گھر..... اللہ نے اسے دو تحفے دیئے تھے ایک نام سیکینہ تھا، ایک کا نام علی اصغرؑ۔ یہ دونوں گئے بہن بھائی تھے، جبکہ بی بی صغریٰ اور علی اکبرؑ گئے بہن بھائی تھے۔ جب حسینؑ رباب کا یہ تحفہ لے کر چلے تو ماں نے علی اصغرؑ کے چھوٹے چھوٹے پاؤں پکڑ لئے۔ پاؤں پکڑ کر کہنے لگی، اصغرؑ میں غیر خاندان کی ہوں، میرے دودھ میں زہنہ کے دودھ کا اثر نہیں ہے، دیکھ میرے لال، مجھے امام زمانہؑ نے بتایا ہے کہ تجھے تیرے لگے گا، ماں کی وصیت یاد رکھنا! تیرے کھانے کے رونا نہیں، مسکرا دینا، اس لئے کہ اگر تو رو پڑا تو دنیا کہے گی کہ حسینؑ کا بھائی کبھی نہ روتا یہ تو ربابؑ کے خون کی خرابی تھی..... اصغرؑ! میرے دودھ کی لاج رکھنا۔

(میں چودھری اسلم صاحب سے معافی مانگوں گا، یہ شہادت میں ذاکرین کے لئے چھوڑ رہا ہوں، جب کوئی جھولا برآمد کروائے گا، تو وہ تفصیلی شہادت پڑے گا۔ یہ دو جملے میں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اللہ اس شہزادے کے صدقے میں آپ کی گود کو آباد کرنے آپ کو اولاد دینے سے سرفراز کرے.....) یہ کہہ کر ماں نے اصغرؑ کو حسینؑ کے حوالے کر دیا۔ یاد رکھئے! باقی تو تھیں شہادتیں..... اصغرؑ ہے تحفہ!

عزیزو بزرگو!

مجھے افسوس ہے کہ وقت نہیں ہے، میں بار بار یہ جملے اس لئے کہتا ہوں کہ مجھے کہیں اور بھی پہنچنا ہے..... ایک شاعر نے بڑا خوبصورت مصرعہ کہا ہے، کہیں تو سنا دوں! اس نے کہا

ہج

یہ شیر مسکرا کے بڑا کام کر گیا  
ورنہ زمانہ کہتا کہ بچہ تھا ڈر گیا

خدا شاہد ہے آپ جتنے سرنگے بیٹھے ہیں نا! فاطمہؑ کے لال نے آپ سب کو یاد کیا  
تھا..... یاد کیا تھا تو تبھی آپ اس کی یاد میں بیٹھے ہیں نا!..... مگر کب یاد کیا تھا؟ عباسؑ کی  
لاش پر؟ نہیں..... علی اکبرؑ کے لاشے پر؟ نہیں..... قاسمؑ کے کلڑوں پر؟ نہیں.....  
حسینؑ فرماتے ہیں:

”او میرے قیامت تک آنے والے شیعو! کاش تم اس وقت ہوتے اور  
یہ منظر دیکھتے کہ میں کیسے سوال کر رہا تھا۔“

انہوں نے صرف اتنا ہی دوسٹو! کہ سوال وہ کر رہا تھا جسے سوال کرنا آتا ہی نہیں  
تھا..... مانگنا اسے پڑ گیا تھا جس کے ڈر پر دنیا مانگنے آتی تھی اور سوال بھی کس چیز کا؟ یہ سوال  
اگر بظروؤں سے کرتا پورا ہو جاتا، عیسائیوں سے مانگتا، مل جاتا۔ خدا کی قسم! دولت کا سوال  
نہ تھا، سوال کیا تو پانی کا اور پانی بھی کتنا.....! میں بھی دیہات کا رہنے والا ہوں اور آپ بھی  
ماشا اللہ زمیندار ہیں۔ میری مائیں بہنیں بھی بہتر جانتی ہیں کہ چھ مہینے کے بچے کے لئے کتنا  
پانی چاہئے.....!

خدا کی قسم! ہم دیہات میں دیکھتے ہیں کہ جب گندم کی فصل کاٹی جاتی ہے تو  
دیہاتی عورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو سینے سے لگا کر آتی ہیں۔ وہ بچوں کو چھاؤں میں لٹا  
دیتی ہیں اور خود فصل کاٹی ہیں! اگر کوئی بچہ پیاس سے رونے لگ جائے تو وہ دوڑ کر جاتی ہیں!  
اسے پانی نہ گلاس سے پلاتی ہیں! نہ جگ سے..... بلکہ ایک پیالی میں پانی ڈال کر اس میں دو  
انگلیاں ڈبو کر بچے کے منہ سے لگاتی ہیں! جس سے بچے کی پیاس ختم ہو جاتی ہے..... صرف  
اتنا پانی مانگا تھا حسینؑ نے..... جواب میں کیا آیا؟

آپ ہی بتادیں کیا آیا..... تیرا آیا! استاد محترم زیدی صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ  
تیر کا وزن علی اصغرؑ کے وزن سے زیادہ تھا۔ اتنا وزنی تیر جسے جلا بلعون نہ جلا سکتے تھے۔

بچے کے ڈر پر کھڑی دیکھ رہی تھی..... ماں نے وہیں سے آواز دی! اصغرؑ! ہوشیار! اصغرؑ کہیں  
بھانہ ہو کہ یہ تیر حسینؑ کو لگ جائے۔  
ماں کی صدا کانوں سے ٹکرائی تو بچے نے اچھل کر یہ تیر گردن پر لیا۔

ساعتین!

خدا کی قسم! میرا بچپنا تھا کہ پنڈت گوپی ناتھ امن جو ہندوستان کا وزیر نشريات تھا  
منوچھی دروازے میں آیا تھا، اس نے ”حسینؑ ڈنے“ پر ایک تقریر کی تھی۔ میں وہ تقریر راج  
بیک نہیں بھولا، اس نے کہا تھا:

”لوگو! میں ہندو ہوں مگر دشمن شہیر نہیں ہوں۔“

اس کے بعد اس نے ایک اور جملہ کہا تھا کہ

”میری سمجھ میں آج تک وہ کربلا کا مسلمان نہیں آسکا کہ جس نے  
ایسے معصوم کو اتنا وزنی تیر مار دیا کہ جسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تیر کھا کر  
روتے ہیں یا مسکراتے ہیں۔“

شہادت کا باقی حصہ میں ذاکرین کے لئے چھوڑتا ہوں.....

عزیزو!

خدا شاہد ہے کہ وہ دلیر حسینؑ، اکبرؑ کی لاش کو خیموں میں لے آیا، عونؑ و محمدؑ کی  
لاشوں کو ۹، ۹ میل سے اٹھا کر لایا، وہ جری حسینؑ جو قاسمؑ کے کلڑوں کی گٹھڑی سر پر اٹھا کر  
لے آیا، کیا اصغرؑ کی لاش اتنی وزنی تھی کہ خیمے میں نہ لے جاسکا؟ خیمے کے قریب پہنچا تو پھر  
بچھے ہٹ گیا زبان پر تھا:

رضا بقضائہ و تسلیمًا لامرہ! انا لله وانا الیہ راجعون

عزیزو!

جب میں نے بارہویں سرکار کی زیارت تاجیہ پڑھی تو یہ مسئلہ میری سمجھ میں آیا کہ تیر کا کام ہے کہ جہاں لگے وہاں سوراخ کر دیتا ہے، لیکن میرا بارہواں امام کہتا ہے کہ جو تیر اصغر کو لگا اس نے سوراخ نہیں کیا۔ میرا بارہواں امام فرماتا ہے:

”میرا سلام ہو اس دودھ پیتے معصوم شہید پر جس کا کام (تالو) تک شہید ہو گیا۔“

فاطمہ کالال سمجھ گیا کہ اگر اس کو خیمے میں لے جاؤں گا تو اس کی ماں بھی مر جائے گی، بہن بھی مر جائے گی، پھوپھی مر جائے گی..... یہ سوچ کر فیصلہ کیا کہ اسے دفن کر دیتا ہوں جب لے کر چلے تو.....

اہل سنت کے ایک بہت بڑے عالم علامہ محمد بن فریجی مہدی لکھنو کے رہنے والے اور حیدرآباد کے ایک شیعہ عالم آقا رضا مجتہد العصر دونوں نے اس واقع کو بیان کیا ہے کہ جیسے ہی حسین علی اصغر کو دفن کرنے کے لئے لے کر چلے تو ایک بچی خیمے کے دروازے پر آ گئی وازدے کر کہنے لگی بابا! ذرا ٹھہر ذرا ٹھہر!.....

بچی حسین کے قریب آ گئی اور معصومیت بھرے لہجے میں کہنے لگی بابا! تجھے اصغر زیادہ پیارا تھا کہ اے پانی پلا دیا، لیکن میں بھی تو پیاسی تھی مجھے پانی کیوں نہیں پلایا؟

عزیزو!

(اگلا سن لیجئے، میرا بیان ختم ہو گیا) یہ سنی عالم اور شیعہ عالم دونوں لکھتے ہیں..... پھر وہ سنی بابا سے کہنے لگی بابا! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنے بھیا کا منہ چوم لوں۔ یہ کہہ کر اس نے عبا کا دامن ہٹایا، جیسے ہی علی اصغر کے گلے پر نظر پڑی دونوں آنکھوں پہ ہاتھ لگ کر خیمے کو دوڑی اور خیمے کے در پر چبھ مار کر کہنے لگی اماں جلدی آ! اماں جلدی آ! دبا، راجھائی کیسے پانی پی کے آیا ہے!

ابا بی رباب سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی خیمے کے در پر آ کر کھڑی ہو گئی.....

حسین نے آواز دے کر کہا، اصغر کی ماں! دین اسلام کی ساری زندگی تیرے اصغر کے سادے میں قائم ہو گئی، اب واپس نہ جانا، میرے پیچھے پیچھے آ جا۔ ماں پیچھے پیچھے چلی..... علامہ مبین لکھتے ہیں کہ جب حسین نے کہا رباب چادر سے ہاتھ تو نکال، ماں نے کانپتے ہوئے ہاتھ چادر سے باہر نکالنے زمین کر بلا تھرا گئی، جب حسین نے انا اللہ پڑھ کر ماں کے ہاتھوں پہ اصغر کی لاش رکھی..... جونہی لاش اصغر بی بی رباب کے ہاتھوں پہ آئی اور ماں کی نظر اصغر کے گلے پر پڑی تو ٹھنڈی آہ بھر کر ایک جملہ کہا، وہ جملہ ختم ہوا تو رباب کے سارے بال سفید ہو گئے۔

نیاز بیگ والو!

(سن لو گے وہ جملہ!) میری ماؤں، بہنو!! سنو، جونہی رباب نے علی اصغر کے گلے دیکھا تو کہنے لگی، میرے لال علی اصغر! کیا تمہارا قاتل صاحب اولاد نہیں تھا! کیا تیرے قاتل کے گھر کوئی بچہ نہیں تھا!

لعنة الله على قوم الظالمين



## مجلس ششم

سائیں محترم!

سلسلہ بیان آپ کے اذہان عالی میں ہوگا..... کل میں نے آپ کی خدمت میں

سائیں الدین اجیری کی یہ مشہور اور معرکتہ آرا ربائی عرض کی تھی

شاہ ہست حسین، بادشاہ ہست حسین

دین ہست حسین، دین پناہ ہست حسین

یعنی حسین شاہ بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے..... میں نے بتایا تھا کہ شاہ کے معنی ہیں

یونیورسل ہیرو نیز جہاں جہاں تک خدا کی خدائی ہے وہاں وہاں تک حسین کی بادشاہی ہے

اور کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس بادشاہ کا ذکر نہ ہوتا ہو..... (نعرہ حیدری)

حضرات گرامی قدر!

عشرہ محرم کے دوران میں بی بی سی اور وائس آف امریکہ سے لے کر روس کے

چھوٹے چھوٹے نشریاتی اسٹیشنوں سے بھی اس مظلوم کا ذکر نشر ہوتا ہے حالانکہ روس دہریوں

کی سرزمین ہے، لیکن ماسکو شہر میں تو محرم کے جلوس تک نکلتے ہیں..... شکاگو کے جلوس اور

سائیں پر آمد ہونے والے علم کی تصویریں میرے پاس موجود ہیں۔ میں نے امریکہ کے شہر  
کو سے نکلنے والے علم سے خوبصورت علم آج تک نہیں دیکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی  
تک جہاں جہاں لوگوں کو معرفت خدا بھی نصیب نہیں ہوئی، وہاں وہاں بھی لوگوں کے دلوں  
سائیں حسین کا ٹھکانہ ہے۔ دیکھ لیجئے کہ وہ شاہ کہاں کہاں پر قابض ہے؟ دنیا جہان کے  
یونیورسٹوں اور ریڈیو اسٹیشنوں پر اس شاہ کا ذکر نشر ہوتا ہے، جگہ جگہ اس کے نام کی سبیلیں لگتی  
ہیں اور گلی کوپے سبیلوں کے پانی سے تر ہوتے ہیں۔ ماتمی جلتے انگاروں پر ماتم کرتے اور  
کہتے ہوئے انگارے حسین کی صدا سے بیروں تلے آ کر گلزار بن جاتے ہیں..... گایا ہوا  
میں اس کا ذکر ہو رہا ہے، پانی پر اس کا ذکر ہو رہا، زمین پر اس کا ذکر ہو رہا ہے..... زمین کا  
کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں گامزن ہو کر لوگ اس کا ذکر سننے نہ جا رہے ہوں۔ اس کا مطلب یہ  
ہے مٹی، پانی، آگ، ہوا کے مرکب پر جسے سائنسدان سائنس کی زبان میں کائنات کہتے ہیں،  
اس شہنشاہ کا قبضہ ہے.....

عزیزان!

آج مٹی پر بھی اس کا قبضہ ہوا، پو بھی اس کا قبضہ آگ پر بھی اس کا قبضہ، پانی پر بھی

اس کا قبضہ، رہ گئی سیاروں اور ستاروں کی بات! تو آئیے میں آپ کو بحار الانوار کی ایک

روایت سناتا ہوں، پھر اندازہ لگاتا کہ اس کا ذکر کہاں کہاں ہو رہا ہے۔ (صلوٰۃ)

ایک دن حضرت سلیمان فارسی نے میرے مولا امیر المومنین سے روتے ہوئے کہا:

”اس دنیا سے پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد میرا دل اس دنیا میں نہیں

لگتا۔“

تو سرکار مولائے کائنات نے فرمایا:

”سلمان! جسٹہ کے شہنشاہ نے جو دو خچر سرد کائنات کو دیئے تھے وہ

اللہ“

میرے مولاً نے غور سے ان فخریوں کو دیکھا تو وہ دونوں کاپنے لگے اور ان کے بازو سے پرکھل آئے۔

مولاً نے سلمانؑ سے کہا:

”سلمان! ایک پرتم بیٹھ جاؤ، ایک پر میں بیٹھتا ہوں۔“

دونوں فخریوں کے سوار ہونے کے بعد فضا میں محو پرواز ہوئے۔ جب خطہ زمین نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو سلمانؑ نے کچھ آوازیں سنیں اور مولاً سے عرض کیا:

”مولاً! یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں؟“

مولاً نے فرمایا:

”سلمان! ہم سیاروں اور ستاروں کے قریب سے گزر رہے ہیں اور

یہاں پر رہنے والی مخلوق حمد و ثنائے پروردگار میں مصروف ہے اور یہ ان

کی عبادت کی آوازیں ہیں۔“

پھر اور آگے بڑھے تو جہاں سمندر کی پھری ہوئی موجیں دکھائی دیں۔ ایک ایک موج سیلوں اور پراٹھتی اور پھر نیچے گرتی تھی۔

سلمانؑ نے عرض کیا:

”مولاً! یہ تو کوئی بھرا ہوا سمندر ہے۔“

مولاً نے فرمایا:

”سلمان! اس کا جوش و خروش ابھی ختم ہو جائے گا۔“

پھر مولاً نے اس سمندر کو حکم دیا کہ ساکن ہو جاؤ..... لہریں ساکن ہوئیں تو اچانک

ایک بزرگ کا تخت بچھ گیا۔ مولاً نے سلمانؑ کو حکم دیا:

”سلمان! اب اتر آؤ۔“

سلمانؑ اتر آیا۔ سلمانؑ اس تخت پر مولاً کے ساتھ روانہ سفر ہوا۔ چلتے چلتے ایک

بہت بڑی بزرگ کی دیوار نظر آئی، جوں جوں یہ دونوں حضرات اس دیوار کے قریب ہوتے

گئے، دیوار سنبھلی چلی گئی۔ جب دیوار کے بالکل قریب پہنچے تو وہ سمٹ کر ایک دروازے میں تبدیل ہو گئی۔ مولاً نے کہا:

”سلمان! آؤ اندر چلیں.....“

دروازے میں داخل ہوئے تو سلمانؑ نے دیکھا کہ انتہائی خوبصورت جوانوں کے

گروہ ادھر ادھر کھڑے ہیں، جونہی انہوں نے مولاً کو دیکھا تو سبھی فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ سلمانؑ نے کہا:

”مولاً! یہ کون لوگ ہیں؟“

مولاً نے فرمایا:

”سلمان! پہچان یہ ہمارے وہ ماننے والے ہیں جو رات کو یہاں ہوتے

ہیں اور دن کو میرے پاس نجف اشرف آ جاتے ہیں۔“

اکثر آتا جاتا رہتا ہوں، تو جوانوں نے مولاً سے عرض کیا:

”مولاً! آپ کی مصروفیت لگتی ہے بڑھ گئی ہے، آج کئی دن ہو گئے ہیں

کہ آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔“

مولاً نے فرمایا:

”آج جی بھر کر میری زیارت کر لو۔“

پھر فرمایا:

”سلمان! اس دنیا سے گزر جانے کے بعد تم بھی یہاں آؤ گے اور

ابوؤر بھی آئے گا۔“

سلمانؑ نے عرض کیا:

”مولاً! یہ اتنی خوبصورت جگہ ہے کہ یہاں سے جانے کو دل نہیں

چاہتا۔“

مولاً نے کہا:

”نہیں! ایک دفعہ تو تمہیں جاتا ہی پڑے گا..... البتہ اگر چاہو تو میں تمہیں یہاں پر تمہارا عمل دکھائے دیتا ہوں.....“

پھر فرمایا:

”سلمان! چلو وہ محل تمہیں بعد میں دکھاؤں گا اور تمہیں تحفے میں عطا کروں گا۔ پہلے ہم مہل کر مظلوم کر بلا کی مجلس پڑھ لیں۔“

تو جہے صاحبان!

یہ کونسا سیارہ تھا؟ کونسا ستارہ تھا؟ جہاں خود شہنشاہ نجف مولائے کائنات نے کر بلا کے مہتاب پڑھے اور ان نوجوانوں نے ساعت کئے؟ اور کتنے ہی ایسے تھے جن سے یہ مصائب برداشت نہ ہو سکے اور وہ بے ہوش ہو گئے؟ مولانا سب کو ہوش میں لائے اور فرمایا:

”سلمان! اب جاؤ!“

مولانا نے دو نوجوانوں کی ڈیوٹی لگائی کہ سلمان کو اس کا محل دکھاؤ۔ سلمان گئے زبرجہ اور عقیق کا بنا ہوا محل سلمان کو دکھایا گیا۔ سلمان جب اس محل کے صحن میں پہنچا تو دیکھا کہ خوبصورت ترین سیب کے پھل اس محل کے صحن میں اُگے ہوئے درختوں سے لٹک رہے تھے۔ سلمان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اتنے پرکشش دل آویز اور خوبصورت سیب تو شاید ابوذر نے بھی نہیں دیکھے ہوں گے؟ چنانچہ دو تین سیب توڑ کر جیب میں رکھ لئے کہ وہاں جاؤں گا تو ابوذر کو دکھاؤں گا۔ سلمان جب واپس آیا تو دیکھا کہ مولانا! ایک ایک نوجوان سے رخصت ہو رہے تھے۔ سلمان نے عرض کیا:

”مولانا! اب واپسی کی تیاری ہے۔“

مولانا نے فرمایا:

”ہاں.....“

لیکن مولانا نے فرمایا:

”سلمان! وہ سیب وہیں رکھ کر آ جو تیری جیب میں ہیں کیونکہ یہ تمہارے مقدر کے سیب ہیں اور ابوذر کے اپنے سیب ہیں اور وہ تیرے سیبوں کا محتاج نہیں ہے۔“

چنانچہ سلمان نے وہ سیب رکھ دیئے۔

مومنین!

اب پتہ چلا کہ اس شہنشاہ کی حکومت کا دائرہ کتنا وسیع ہے جہاں مولانا حسین کی مظلومیت کا ذکر ہوتا ہے۔ کچھ سال قبل کی بات ہے کہ میں علی پور کھلوواں (مظفر گڑھ) میں محرم پڑھتا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑے زمیندار تھے نام تھا ان کا ملک شیر محمد گھلو۔ وہ انگریز دور میں آنریری مجسٹریٹ رہے۔ زمیندار تھے مگر صاحب سکا لرتھے۔ ایک دن وہ بہت پرانا ڈائجسٹ ”ریڈرز“ اٹھا کر لائے اور اس میں مجھے ایک سمندر کے سیاح کا تذکرہ پڑھنے کو کہا۔ سیاح کا کہنا ہے کہ ایک دن میں سمندر پار کر کے سیر کے لئے نکلا تا کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا جائزہ لوں کہ اتنے میں محرم کا چاند نمودار ہوا۔ مجھے سمندر سے کچھ سر نکلے ہوئے نظر آئے جو بے تحاشا رو رہے تھے ان کے رونے کی صداؤں میں سے جو مجھے ایک لفظ یاد رہ گیا ہے وہ ہائے حسین ہے۔ ”ریڈرز“ ڈائجسٹ کی پرانی فائلیں پڑھے لکھے لوگوں کے پاس محفوظ ہوں گی اور وہ یہ واقعہ خود پڑھ چکے ہوں گے۔

عزیزان گرامی!

معلوم ہوا کہ سمندر سے لے کر آسمانوں تک کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں حسین نہ ہو اور جہاں اس کی بادشاہی نہ ہو۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں دنیا میں کسی کے اتنے لنگر نہیں ہیں جتنے کہ اس کے ہیں دنیا میں کسی کے اتنے مکان نہیں جتنے حسین کے ہیں کسی کے اتنے رضا کار نہیں جتنے حسین کے ہیں کسی کے پاس اتنی سواریاں نہیں جتنی اس کے پاس ہیں دنیا

سی کا اتنا بھٹ نہیں جتنا بڑا بھٹ حسین کا ہے۔ اگر وہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو لے کر کے مہمان ہو جائیں تو حسین اتنا بڑا بادشاہ ہے کہ سب کو جگہ دے سکتا ہے سب کو سکتا ہے اپنے رضا کاروں سے ان کی خدمت کروا سکتا ہے اور سب کو رہائش کے لئے میسر کر سکتا ہے.....

زوا!

جب کائنات میں اتنا بڑا شہنشاہ خواجہ حمیری کو نظر آیا تو بے ساختہ پکار اٹھے۔  
شاہ ہست حسین.....

ری یونورس کا اگر کوئی بے تاج بادشاہ ہے تو حسین ہے، شہنشاہ ہست حسین اور شہنشاہ حسین ہے۔ کل میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔ خواجہ نے پھر کہا، دین ہست حسین! دین بھی ہے لیکن ابھی خواجہ کا دل مطمئن نہیں ہوا تھا، پکار کر کہا، دین پناہ ہست حسین، دین کو پناہ دینے والا بھی ہے..... گویا دین کو پناہ ملی تو وہ بھی آغوش میں۔

محترم!

یقین جانئے اس گھرانے کا ہر فرد دین ہے۔ میں پڑھے لکھے لوگوں کو ایک اشارہ آگے نکلتا ہوں۔ ایک رات امیر المومنین کے دروازے پر عرب کے ایک حلیم شدہ دان نے آن کر دستک دی، جس کی آنکھوں پر پولیٹکس (Politics) کی مہر ثبت تھی، رب کے مزاج سے بہت آشنا تھا۔ آ کر کہنے لگا:

”یا علی! میں آپ کی خدمت میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا تخت و تاج سنبھال کر بیٹھ گئی اور آپ خاموش بیٹھے ہیں۔ کیا آپ کے مددگار اور اعوان و انصار کم ہیں؟“

مولانا نے فرمایا:

”نہیں، میرے پاس تو اتنی فورس ہے کہ میں عرب کے تمام شہروں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں اور اتنے گھوڑے ہیں کہ جن کا کچھ شمار نہیں.....“

باب مدینہ العلم اس کی سازش کو جانتے تھے کہ یہ مجھ سے خون خرابہ کروا کر میرا نام بدنام کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا:

”ابوسفیان! تو کب سے دین کا خیر خواہ بن گیا۔“

عزیزو!

میں سوچتا ہوں ابوسفیان دین کا خیر خواہ ہو یا نہ ہو مولانا کا تو خیر خواہ بن کر آیا تھا۔ مولانا نے اسے کیوں محروم کیا؟ اس کی خیر خواہی کی قدر کیوں نہ کی؟ تو مولانا کی آواز آتی ہے۔ ”میں علی ہوں، میں ہر شخص کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھتا ہوں کہ وہ کس قدر مخلص اور خیر خواہ ہے۔ میں وہ ہوں جس کی ولایت کے اعلان پر جبرائیل نے کہا تھا، اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔“

اب سمجھ میں آیا کہ جس کی ولایت کے اعلان پر دین مکمل ہو جائے اس کا نور نظر اور گوشہ جگر کیوں کر دین نہیں ہوگا؟  
(گھبرا تو نہیں گئے سامعین! صلوات پڑھ دیجئے۔)

باپ بھی دین، بیٹا بھی دین..... مسجد نبوی کا صحن ہے، صحابہ کرام کا مجمع ہے۔ مسجد بھی افضل المساجد، نمازی بھی جلیل القدر صحابی۔ نماز کا وقت ہے، امام الانبیاء امام جماعت ہیں، صفیں تیار، پیغمبر نے تکبیر کہی تو سب نے تکبیر کہی، قیام کیا تو سب نے قیام کیا، رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا۔ پھر پیغمبر سجدہ ریز ہوئے، تین دفعہ سبحان الاعلیٰ کہا کہ چشم

آفتاب نے ستاروں کی ٹینک لگا کر ایک عجیب منظر دیکھا کہ آغوش رسالت میں کھیلنے والا اور  
 ووش رسالت پر سواری کرنے والا شہزادہ صحابہ کی صفوں سے گزرتا ہوا آیا..... ایک صف  
 دوسری صف تیسری صف صحابہ کی صفیں راستہ چھوڑ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ حسین نہیں  
 گزر رہے رسول معراج کی شب آسمانوں کو پار کر رہے ہیں یا پھر موسیٰ دریائے نیل کی  
 موجوں میں رستہ بنا رہے ہیں یا پھر ایسے رستہ بن رہا تھا جیسے ولادت علیؑ پر دیوار کعبہ میں  
 رستہ بنا تھا..... حسین صحابہ کی صفوں سے گزرے اور سیدھے جا کر نانا کی پشت اطہر پر بیٹھ  
 گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ادھر حسین پشت رسولؐ پر بیٹھے ادھر جبرائیل خدمت رسولؐ  
 میں پہنچے.....

یاز بیگ والو!

آپ کے گھروں میں ایسا واقعہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بزرگ نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی بچہ  
 کر اس کی پشت پر سوار ہو جائے، لیکن وہ بزرگ سجدے کو طول ہرگز نہیں دیتا اور دیکھنے  
 لے بھی نمازی کو کچھ نہیں کہتے بچے کو سنبھالتے ہیں.....  
 اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جو سید الملائکہ حامل وحی جبرائیل امین آیا ہے یہ بچے کو  
 سنبھالتا ہے یا نمازی سے کچھ کہتا ہے!!

شیعہ سنی علماء رقم طراز ہیں کہ جبرائیل نے بچے سے کچھ نہیں کہا بلکہ نمازی کے  
 قریب پہنچ کر عرض کیا:

”اللہ رب العزت تحفہ درود و سلام کے بعد فرما رہا ہے کہ جب تک میرا  
 حسین اپنی مرضی سے نہ اتر جائے سجدے سے سر نہیں اٹھانا۔“

یہ کہہ کر جبرائیل واپس چلا گیا۔ اب میں ارباب فکر سے پوچھتا ہوں کہ  
 جبرائیل آیا کیوں؟ کیا خود نمازی کو یہ معلوم نہیں کہ کون آ کر بیٹھ گیا ہے؟..... خدا کی قسم!  
 اگر نمازی ہم جیسا بشر ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا اس لئے کہ ہماری نماز بھی کوئی نماز ہے نہ

خضوع و خشوع ہم دوران نماز بھی دنیا کی یادوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ مگر یہ وہ نماز ہے کہ  
 جسے سوائے ذات باری کے کسی چیز کا خیال نہیں..... یہ بہت بہتر جانتا ہے کہ سبحان ربی  
 الاعلیٰ کون ہے؟..... اگر اب بھی نہیں سمجھ سکے تو سنو یہ وہ ہے کہ جس کے وحی کے پاؤں  
 سے سجدے کی حالت میں ہڈی میں دھنسا ہوا تیر نکلے تو اسے کچھ خبر نہیں ہوتی تو پھر اس کے  
 سردار کا خضوع و خشوع کس قدر ہوگا!

اس کے ذہن میں سوائے ذات واجب کے کسی کا کچھ تخیل بھی نہیں۔ چنانچہ خود  
 ذات واجب نے جبرائیل کو بھیجا کہ جا کر بتا دو کہ آپ کی پشت پر کون بیٹھا ہے؟  
 آئیے جبرائیل سے پوچھتے ہیں کہ تم نے بتا دیا کہ بچہ آپ کی پشت مبارک پر بیٹھ  
 گیا ہے اب جب بچہ اتر جائے تو پھر آ کر یہ بھی بتا دینا کہ بچہ اتر گیا ہے لیکن جبرائیل نے  
 ایسا نہیں کیا بلکہ پیغمبر پر ہی چھوڑ گیا..... پیغمبر کہ جن کے ذہن میں کسی کا خیال بھی نہیں آیا  
 اب وہ مسلسل تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ حسین کا خیال بھی آ رہا ہے کہ بیٹھا ہے یا  
 اتر گیا۔ زبان پر ہے سبحان ربی الاعلیٰ سبحان ربی الاعلیٰ سبحان ربی  
 الاعلیٰ..... اور اذن خداوندی یہ ہے کہ اے صاحب معراج! آج تیری معراج جی بھی  
 معراج ہے لہذا زبان پہ تو سیراؤ کر رہے اور ذہن میں تخیل حسین رہے۔ (نعرہ حیدری)

بزرگان محترم!

توجہ فرمائیے گا..... اگر آپ اجازت دیں تو اب مولوی صاحبان سے ایک سوال  
 پوچھتا ہوں کہ رسولؐ نے سجدہ میں تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا تھا، لیکن پڑھا ستر  
 سترہ فتویٰ دیں..... کیا اس سے نماز نبوت میں غلط نہیں آیا؟ جتنے شیعہ سنی بیٹھے ہوئے ہوں  
 پوچھو اپنے اپنے علماء سے کہ ستر دفعہ تخیل حسین آنے سے نبیؐ کی نماز برقرار رہی یا ٹوٹ  
 گئی؟؟ خدا غور کیجئے! سوچئے! کہ اگر تخیل حسین سے نماز نبوت میں غلط نہیں آتا تو تشہد  
 میں علیؑ سے نماز امت میں غلط کیسے آ سکتا ہے!! (نعرہ حیدری)

عزیزانِ محترم!

(ناراض تو نہیں بیٹھے آپ!)

میں کہتا ہوں اگر تحنیل حسین سے نمازِ نبوت میں فرق نہیں آتا تو ذکر حسین سے نماز امت میں کیسے خلل آ سکتا ہے..... تاریخ کے جہر دکوں سے ذرا نمازِ پیغمبر کو دیکھو..... آپ نے جب تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ پڑھا تو پیچھے جتنے نمازی تھے انہوں نے بھی تین دفعہ یہی پڑھا۔ پھر کبھی نے سراٹھا کر دیکھا کہ پیغمبرؐ ابھی سجدے میں ہیں تو دوبارہ سر سجے میں رکھ دیا..... اب بتائیے کہ سجدے سے سراٹھانے سے سب سے پہلے کس پر نظر پڑی حسین پر.....! تو دراصل اللہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ صحابہ کرام آج تمہاری نماز یہ ہے کہ سجدے سے سراٹھا اور میرے حسین کی زیارت کر کے پھر سر سجدے میں رکھ دو۔

سامعینِ گرامی!

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آپ سارے دن کے تھکے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ محبت حسین سب تھکانوں کا خاتمہ کر دیتی ہے..... خدا شاہد ہے کہ حسین نے بھی یہ تہہ کر لیا میں اس وقت تک ناتا کی پشت پر بیٹھا ہوں گا جب تک ہر نمازی ناتا کی پشت پر میرے وجود کا عین گواہ نہ بن جائے..... لوگ کہتے ہیں صاحب! یہ تو بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ انہیں سواری پر بیٹھنے کا شوق ہوتا ہے لہذا یہ تو حسین کی بچپن کی ادا تھی لیکن خدا کے لئے انصاف کریں..... میں کہتا ہوں مجھے کوئی ایک مثال بھی دکھا دیں کہ بچہ حالت سجدہ میں پشت پر سوار ہو جائے تو کسی نے سجدے کو طول دے دیا ہو۔ یقیناً ہر کوئی مل جل کر بچے کو گرا دے گا اور ساتھ ہی نماز سے فراغت کے بعد یہ بھی سمجھایا جاتا ہے:

”غیر ایدان نہ کریں اے اللہ دی عبادت اے اللہ دی نماز اے۔“

لیکن میں علماء کو چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ پیغمبرؐ سے مردی کوئی چھوٹی سے چھوٹی

ایت ہی دکھا دیں کہ فرمایا ہو میرے لال حسین! آئندہ یہ حرکت نہ کرنا..... پیغمبرؐ کا یہ نہ کہنا اور سجدے کو طول دینا اس بات کی سند ہے کہ یہ بچپن کی ادا ہرگز نہیں تھی بلکہ مشیت کی نشانی..... (با آواز بلند صلوات)

حضراتِ محترم!

اگر کوئی مولوی اب بھی ضد کرے کہ یہ تو بچپن کی ادا تھی تو پھر ایک بات کہوں ناراض نہیں ہونا! میں کہتا ہوں اگر حسین کو سواری ہی کا شور تھا تو پھر اتنی صفیں چیر کر حسین کو اتار کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی پیغمبرؐ سے پہلے کتنی تیز رفتار سواریاں سجدے میں نہیں..... حسین کسی پر بیٹھ جاتے۔

بھئی!

حیرانگی کی بات ہے کہ جو بات صحابہ کرام نے بھی نہ کہی آج کے مولوی وہ بات کہنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں بچوں پر تو کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا..... اگر بڑا مجمع میرے سامنے ہے۔ فرض کیجئے میرے ہاتھ میں ایک کیمبرہ تھا جو ہزاروں روپے کی مالیت کا ہے۔ اب ایک بچہ مجھے کہتا ہے اٹکل ذرا یہ کیمبرہ مجھے دکھاؤ۔ میں نے کیمبرہ اسے چھما دیا اب اس کے ہاتھ سے یہ کیمبرہ گرا اور چور چور ہو گیا۔ میں تھانے پہنچ گیا کہ اس بچے نے میرا کیمبرہ توڑ دیا ہے اسے گرفتار کیا جائے۔ تھانے والوں نے کہا جناب! اپنی عقل کا علاج کروائیں کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ ہم چار سال کے معصوم بچے پر مقدمہ درج کر لیں۔ آپ نے اتنے چھوٹے بچے کو کیمبرہ دیا کیوں؟

اب کسی مولوی صاحب سے رجوع کیا کہ آپ تو اکثر فتوے دیتے رہتے ہیں اس بچے نے میرا کیمبرہ توڑ دیا ہے ذرا اس کے خلاف فتویٰ دے دیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا

شریعت کا کوئی قانون ایسا نہیں کہ میں بچے کے خلاف فتویٰ دے سکوں کہ اسے تازہ کر لیں۔

نے اسے کبیرہ دیا کیوں؟ اب سوچا کہ چلو اس کے ماں باپ سے شکایت کرتے ہیں۔ انہوں نے شکایت کے جواب میں کہا، حضرت! یہ تو بچہ ہے آپ ماشاء اللہ بڑے ہیں آپ نے کبیرہ اسے دیا ہی کیوں؟ آپ کی عقل تو نہیں ماری گئی تھی۔

عزیزانِ گرامی!

اب جو کہتے ہیں یہ بچپن کی ادا تھی، چلو حسین نے بچپن کی ادا ہی دکھا دی تو وہ صحابہ کرام کیسے تھے جو اٹھ اٹھ کر دوبارہ جہدے میں سر جھکاتے رہے..... وہ جبرائیلؑ کیسا تھا کہ بچے کے کھیل میں آ کر پیغمبرؐ سے باتیں کرنے لگا اور وہ کیسے تھے کہ بچے کے کھیل میں بچے کو طول دے دیا!! بلکہ میں تو یہ کہنے پہ مجبور ہوں کہ وہ اللہ کیسا ہے کہ جس نے بچے کے کھیل میں سید الملائکہ کو بھیج دیا..... یہ اعتراض حسینؑ پر تو نہیں رکے گا، بلکہ جبرائیلؑ سے لے کر اللہ تک چلے گا۔

میں کہتا ہوں یا اللہ! حسینؑ تو بچہ ہے، جبرائیلؑ سے کہہ دو کہ اسے ہٹا دئے پیغمبرؐ سے کہو کہ اسے اتار دئے صحابہ کرام سے کہہ کہ اسے اٹھالیں..... ارے نواسہ ہی تو ہے جہدے کو طول کیوں دیا جا رہا ہے..... اب صحابہؓ پیغمبرؐ، جبرائیلؑ اور اللہ سبھی آواز دے کر کہیں گے، اگر محض بچہ ہوتا تو اتار دیتے، صرف نواسہ رسولؐ ہوتا تو اتار دیتے، مگر مجبوری یہ ہے کہ دین ہست حسینؑ..... (صلوٰۃ)

سامعین!

اب خواجہ اجیرئیؒ کی معرفت سمجھ میں آئی۔ خواجہؒ نے یونہی نہیں کہہ دیا، دین ہست حسینؑ..... اب یہاں میں پڑھے لکھوں کے لئے دو جملے اور کہتا ہوں، اس کے بعد میرا بیان ختم ہوتا ہے..... اس سے اگلے جملے سنئے

سرداد نہ داد دست در دست یزید  
تھا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

اب مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے احباب بیٹھے ہیں، میں تو بہت کم پڑھا لکھا ہوں۔ آئیے سب مل کر خواجہ اجیرئیؒ کی عظمت کو سلام کرتے ہیں، کتنا عصمت شناس ذہن تھا حضرت خواجہؒ کا کہ جس مصرعے میں اس نے حسینؑ کا نام رکھا، وہاں یزید کا نام نہیں آنے دیا۔ (بھی توجہ فرمائیے گا!) خواجہ اجیرئیؒ کہتا چلا گیا

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ  
دین ہست حسینؑ دین پناہ ہست حسینؑ  
سرداد نہ داد دست در دست یزید

جس مصرعے میں یزید کو لایا گیا وہاں حسینؑ کو نہیں لایا گیا۔ اب خواجہ اجیرئیؒ ذہن میں آیا کہ شاید مولویوں اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کا ذہن اس بات کو قبول نہ کرے، تو خواجہؒ نے اس کے بعد حق کی قسم کھائی

کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ  
”مجھے قسم ہے حق تعالیٰ کی، دین کی بنیاد حسینؑ ہے۔“

آپ نے سوچا کہ ایک ہی مصرعے میں حسینؑ اور یزید کو کیوں نہیں ملایا؟ اس لئے کہ خواجہؒ کو علم تھا کہ حسینؑ ایک تسلسل کا نام ہے..... حسینؑ طہارت و پاکیزگی اور عصمت کی ایک لڑی ہے اور لڑی ہی نہیں خود اس کا نقطہ منجما ہے اور یزید بھی ایک تسلسل کا نام ہے..... بلکہ نجاست کی لڑی اور سلسلے کے نقطہ آخر کا نام ہے اور طہارت و نجاست ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے..... (ایک دفعہ مل کر صلوٰۃ پڑھ لیں محمدؐ و آل محمدؐ کی ذات پر)

عزیزو!

دین ہست حسینؑ دین پناہ ہست حسینؑ  
سرداد نہ داد دست در دست یزید  
حق کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

چونکہ شاعری فطرتاً اختصار پسند ہے اور تفصیل میں جانا شاعری کا منصب نہیں۔۔۔۔۔  
اب غور طلب یہ بات ہے کہ خوابہؑ نے یہ کیوں کہا کہ اگر لا الہ کی بنیاد ہے تو وہ حسینؑ ہے؟  
دراصل خوابہؑ دیکھ رہا تھا کہ تین دن تک پیغمبرؐ نے عیسائیوں اور ان کے پادریوں کو سمجھایا کہ  
اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔ لیکن وہ کہتے رہے کہ نہیں اللہ تین ہیں اللہ تین ہیں  
اللہ تین ہیں۔۔۔۔۔ تو حکم الہی ہوا:

”میرے حبیب! اگر یہ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی بحثوں سے کام  
لیتے ہیں تو انہیں کہہ دیجئے:  
قل تعالوا ابنا و ابناکم

ہم اپنے بیٹے لاتے ہیں اور تم لے آؤ اپنے بیٹے۔۔۔۔۔“

اب پیغمبرؐ کا اپنا بیٹا کوئی نہ تھا، لیکن مرید بھی تو پھر کے بیٹے ہوتے ہیں چنانچہ  
ساری دنیا سمجھی کہ ہم میں سے کسی کو لے جائیں گے لہذا نہادھو کر مسجد میں آ بیٹھے۔ پیغمبرؐ نے  
آ کر دیکھا تو فرمایا، ”بڑے موہنے لگ رئے او“، یہ کہہ کر فرمایا، ”حسن بیٹے ادھر آؤ۔ حسن کو  
انگلی پکڑائی، حسین کو گود میں اٹھایا اور لے کر چلے میدان مہلبہ کی طرف۔۔۔۔۔ اب وہ جنہیں  
تین دن تک پیغمبرؐ نے سورۃ توحید سنائی اور ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ اب جب انہوں نے  
حسینؑ کو دیکھا تو شیعہ سنی تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ ان کے پادری نے حسینؑ کا چہرہ دیکھ کر  
پکار کر کہا:

”مہلبہ نہ کرنا، اب میں وہ چہرہ دیکھ رہا ہوں کہ اگر اس نے بد دعا کر  
دی تو سارے غرق ہو جاؤ گے، وہ اشارہ کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے  
ہٹ جائیں۔۔۔۔۔“

ارے ابھی تک اس کو پیغمبرؐ سمجھاتے رہے، لیکن اسے سمجھ نہ آیا، قرآن کی آیات  
”میں سمجھ نہ آیا، وہی رٹ رہی کہ خدا تین ہیں، لیکن حسینؑ کا چہرہ دیکھتے ہی سبھی نے سر  
کا لیا، اس لئے خوابہ اجیرئی پکارا ٹھے۔  
تھا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ (نعرۃ حیدری)

عزیزان گرامی!

میرا معبود گواہ ہے کہ لا الہ کی بنیاد بھی بتائی تو حسینؑ نے اور لا الہ کو بچایا بھی تو  
حسینؑ نے۔۔۔۔۔ لیکن صرف اکیلے حسینؑ نے نہیں۔

حدیث عشق دو باب است کر بلا و دمشق

یکے حسینؑ رقم کرڈ دیگرے زینبؑ

”حدیث عشق دو ابواب پر مشتمل ہے ایک کو حسینؑ نے رقم کیا اور

دوسرے کو زینبؑ نے۔۔۔۔۔“

زینب عالیہؑ وہ بہن کہ جب دنیا میں آئی تو پیغمبرؐ نے ہاتھوں پر اٹھایا، نواسی کا چہرہ  
دیکھا، پھر اس کے باپ کا چہرہ دیکھا، دونوں کے چہروں کو آپس میں ملایا تو پیغمبرؐ کی زبان  
سے بے ساختہ نکلا:

زین اب

یہ تو اپنے باپ کی زینت ہے اور خدا کی قسم! زینبؑ نے اپنے باپ کی زینت بن  
کر دکھایا۔ اللہ کی آواز آئی، حسینؑ تو رسولؐ کا نمائندہ ہے تو اپنی ماں بتولؑ کا نمائندہ بن کر  
اپنی ماں کو بچانے جا رہا ہے۔ پھر عرش سے آواز آئی، زینبؑ! علیؑ کی بیٹی! تو اللہ کی نمائندہ  
بن کر جا۔۔۔۔۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں، حسینؑ نے دین کو مٹنے سے بچایا ہے لہذا تم  
حسینؑ کے نام کو مٹنے سے بچاؤ۔۔۔۔۔ یہی سبب ہے کہ جب کر بلا والے لا الہ کو بچانے جا رہے

تھے شہر سے ابھی تھوڑا ہی دُور گئے ہوں گے کہ ایک آواز آئی:

”حسین! ذرا ٹھہر جائے، حسین! ذرا ٹھہر جائے۔“

حسین نے کہا:

”عباس! بھائی! ذرا دیکھنا یہ کون آرہا ہے؟“

عباس نے دیکھا تو کہا:

”آقا! جناب عبداللہ آ رہے ہیں۔“

عبداللہ قریب آئے اور عرض کیا:

”فاطمہ کے لال! ہم سے مشورہ بھی نہ لیا اور روانہ ہو گئے۔“

حسین نے کہا:

”عبداللہ! میری ماں نے خواب میں تاکید کی ہے کہ حسین جس مقصد

کے لئے تجھے چکیاں چیں پس کر پالا تھا اس مقصد (یعنی لا الہ الا اللہ)

کی حفاظت کر اور اللہ کے نام کو مٹنے سے بچا..... میں اپنے نانا اور اپنی

ماں کے حکم کی تعمیل کے لئے جا رہا ہوں۔“

عبداللہ نے کہا:

”حسین! آپ تو اپنے نانا کے نمائندے ہیں، لیکن یہ بتول کی چادر

کی وارثوں کو کیوں لے کر جا رہے ہو؟“

اب حسین نے یہ جواب نہیں دیا کہ یہ بھی نانا کا حکم تھا، بلکہ فرمایا:

”اللہ چاہتا ہے کہ نذیب قید ہو جائے۔“

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ یہ کیوں چاہتا ہے؟ اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے

کہ نذیب قید ہو جائے؟ بات صرف اتنی ہے کہ حسین تو نمائندہ رسول تھا جس نے لا الہ کو

بچانا تھا اور نذیب نمائندہ خدا بن کر جا رہی ہے۔ اللہ محسن الاحسان کا منشا ہے کہ نذیب تم

مٹ جاؤ، مگر حسین کا نام مٹنے نہ پائے..... خدا شاہد ہے کہ جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو

”یا بن العم! اے میرے چچا کے بیٹے عبداللہ! میں اللہ کے حکم سے جا

رہی ہوں، مگر آپ کی اجازت سے جا رہی ہوں۔ میں نے آپ سے

اجازت طلب کی تھی اور آپ نے اجازت دی تھی، اسی لئے جا رہی

ہوں۔ کیا اب آپ مجھے روکنے آئے ہیں؟“

شریفو!

اب دیکھو محمد کے گھرانے کے آداب زندگی کہ یہ نہیں کہا عبداللہ نے اے عمو!

محمد کی ماں! (یہ جو اس طرح سے خطاب کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ اس سے بچیں، منبر ایسا

جملہ منہ سے نہ نکالا کریں جس سے توہین اہل بیت کا ذرہ برابر پہلو بھی نکلا ہو۔ یہ فقرہ

سکتے ہیں تو صرف جناب عبداللہ..... میرے جیسے جاہل کو یہ کہنے کا ہرگز حق نہیں، لیکن جب

عبداللہ جو تہذیب و شرافت کی معراج پر فائز، ان کی زبان سے بھی یہ جملہ نہیں نکلا) انہوں

نے یہ بھی نہیں کہا کہ اے میری رفیقہ حیات! بلکہ کاہنتی ہوئی آواز سے کہا، اے میرے

امام کی بیٹی! میں آپ کو روکنے نہیں آیا۔

نذیب نے کہا:

”پھر کس لئے آئے ہیں آپ؟“

عبداللہ نے کہا:

”میں کہنے آیا ہوں کہ حسین جیسی قیمتی امانت آپ کے پاس ہے۔

اب اگر رستے میں کوئی مشکل آن پڑی تو کیا کروگی؟“

نذیب نے کہا:

”میرے چچا کے بیٹے! بتاؤ پھر میں کیا کروں؟“

عبداللہ نے کہا:

”میرے امام کی بیٹی! اگر کسی شریف پر مشکل اور مصیبت پڑ جائے تو

وہ اس مشکل اور مصیبت کو ٹالنے کے لئے صدقہ دیتا ہے آپ خالی ہاتھ جا رہی ہیں صدقہ دینے کا دقت آیا تو پچھتائیں گی۔ میں آپ کے لئے صدقہ کا بندوبست کر کے لایا ہوں یہ لوعون و محمد بڑے کو اپنی طرف سے اور چھوٹے کو میری طرف سے آقا حسین کا صدقہ کر دینا۔“

یہ کہہ کر عبداللہ نے زینب کو روانہ سفر کیا۔

نیا بیگ والو!

۲ محرم کو شہزادی زینب کو بلا پہنچی۔ ۲ محرم سے یوم عاشورہ تک کبھی اپنے بیٹے کو بیٹا نہ کہہ بلکہ سلاتے دقت لوری دیتیں تو فرماتیں حسین کے صدقہ! اب سو جاؤ اب آرام کرو۔ حسین کے صدقہ! میں نے تمہارے اعتماد پر اماں زہرا سے بوقت ملاقات کہنا ہے کہ میں نے آپ کے بیٹے حسین کو اپنے بیٹوں سے پہلے زخمی نہیں ہونے دیا اور جب صبح عاشور ہوئی قربانی کا دقت آیا تو زینب نے کہا:

”اماں فضہ! ذرا تانے کے نمائندے کو بلاؤ۔“

مولانا تشریف لائے تو دیکھا کہ بہن اپنے دونوں شہزادوں کو سر پہ عمامے رکھا کر اور کمرڈ میں تلواریں لٹکوا کر جہاد کے لئے تیار کئے کھڑی ہے۔

علم لدنی کے مالک امام نے کہا:

”بہن میرا سلام قبول ہو۔“

زینب نے سلام کا جواب دیا اور کہا: (اسے کوئی خاندانی بندہ ہی سمجھ سکے گا)

”حسین! دومنت کے لئے بہن بھائی کے تعلق اور رشتے کو ایک طرف

رکھ دے۔“

حسین نے کہا:

”کیوں میری بہن؟“

زینب نے کہا:

”حسین اس لئے کہ تو ہے حیدر کراز کا بیٹا اور میں ہوں جعفر طیار کی بہن۔ آج جعفر کی بہن حیدر کے بیٹے سے جعفر کے پوتوں کی شہادت کی بھیک مانگتی ہے۔ حسین! میری جھولی میں شہادت کی خیرات ڈال دے۔ حسین! میں چاہتی ہوں کہ میرے بچے تجھ پر قربان ہو جائیں۔“

حسین نے زمین کی طرف دیکھا پھر آسمان کو دیکھا پھر بہن کو دیکھا اور پھر بھانجوں کو دیکھا۔ یوں سمجھو کہ قیامت تک کے لئے ختم ہو جانے والی نسل کو دیکھا اور ساختہ بولے:

”میری بہن! جو تو چاہے گی وہی ہوگا۔“

زینب خوش ہو گئی اور دسویں کے دن اپنے بیٹوں کو اس طرح آگے آگے لے چل جیسے قربانی کے دن حاجی اپنی قربانی کو آگے آگے لے کر خود پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ جب خیمے کے دروازے پر پہنچی تو بھائی سے کہا:

”اگرچہ سب کی لاشیں خیموں میں لاؤ، مگر عون و محمد کی لاشیں خیموں میں نہ لانا۔“

حسین نے کہا:

”بہن! یہ تیرے بیٹے ہیں لاشیں کیوں نہ لاؤں؟“

زینب نے کہا:

”حسین! یہ تیرا صدقہ ہیں زینب صدقہ دے کر واپس نہیں لے گی۔“

عزیزو!

پھر زینب نے بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا:

”میرے بیٹو! اب خیمے میں زندہ واپس نہ آنا، اگر تم زندہ واپس آئے تو میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔“

پھر ایک عجیب تاکید کی کہ

”جب تم باہر نکلو گے تو تمہیں فرات کا پانی نظر آئے گا، لیکن خبردار! پانی کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا.....“

اب زینب نے بچوں کو الوداع کیا۔ حسین ابن علی نے مرج البحرین کے یہ دو موتی اٹھا کر صدف زین پر رکھ دیئے۔ بچے روانہ ہو گئے، حسین ٹیلے پر کھڑے تھے، فضا خیمے کے در پر تھی، بچوں کی ماں خیمے کے اندر مصلیٰ عبادت پر تھی، بچوں کی نظر پانی کی بجائے عبادت پر تھی، فضا کی نظر حسین پر تھی اور ماں کی نظر فضا کے چہرے پر..... نظروں کا ایک سلسلہ بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد بچے گھوڑے سے گرے، حسین ٹیلے سے گرے، فضا خیمے کے در پر آئی، ماں یہ کہہ کر سجدے میں گری:

”یا الہی! تیرا شکر ہے کہ میری نیک کمائی نیک کام آئی۔“

مومنین نیاز بیگ!

زندگی کا کچھ پتہ نہیں، خدا جانے یہ رات پھر کبھی زندگی میں نصیب ہو کہ نہ ہو، چلتے چلتے دو جملے اور سن لو۔ ایک بچہ بڑا تھا اور ایک چھوٹا، بڑا جب گھوڑے سے گرا تو اس نے آواز دی، مولانا! میری مدد کو پہنچئے، مولانا! میرا آخری سلام ہو.....

لیکن میری مائیں، بہنیں اور بھائی بہتر جانتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کی نفسیات ذرا مختلف ہوتی ہے، چھوٹے بچے کی ادائیں ہی الگ ہوتی ہیں، اس کا انداز مخاطب بھی الگ ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! جب ظالم نے چھوٹے بچے کے سینے میں نیزہ مارا اور پھول کی طرح پر دیا، ہوا بچہ زمین پر گرنے لگا تو گرتے گرتے خیمے کی طرف منہ کر کے نانا کو بلایا، نہ دادا کو اور نہ مولانا حسین کو، بلکہ بے ساختہ کہا، اماں میں گر گیا، اماں میں گر گیا.....

یہ کر بلا کا انوکھا شہید ہے کہ جس نے ماں کو آواز دی ہے۔ ادھر حسین ابن علی نے جب کے لال کی آواز سنی تو میدان جنگ کی طرف چلے۔ خدا کی قسم! فوج یزید نے امام کو لہتے ہوئے دیکھا تو فوج میں بھگدڑ مچ گئی..... مولانا نے شدت جذبات میں ایک نوحہ دیا، ”ہا، جس کا پہلا مصرع کچھ یوں تھا:

”میری بہن کا گھر برباد کرنے والو! اب کہاں جاتے ہو؟“

لیکن فوج بھاگ چکی تھی، حسین بچوں کے پاس پہنچے بڑے بچے کی روح پرواز کر چکی تھی، لیکن چھوٹے بچے میں کچھ سانس باقی تھے۔ حسین جھکے تو اس نے بچی لی اور بچی لے کر کہا:

”ماموں! مجھے اماں سے ملا دو ماموں! مجھے اماں سے ملا دو۔“

اب بتاؤ کر بلا کا مظلوم کیا کرے؟ بہن نے کہا تھا کہ میرے بچوں کی لاشیں خیموں میں نہ لانا اور بچہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اماں سے ملا دیجئے۔ اب ذرا سینوں پہ ہاتھ رکھ کر کہئے، مقتل کا جملہ ہے حسین بچی کی چمک کی طرح بھانجے کو سینے سے لگائے ہوئے ایک دم دم سے

میں آئے۔ زینب کو آواز دی:

”بہن جلدی آؤ.....“

زینب نے کہا:

”کیا بات ہے بھائی؟“

حسین نے کہا:

”بہن! تیرا بیٹا لایا ہوں۔“

زینب نے کہا:

”حسین! گنج شہیداں میں رکھ دیجئے، میں نے صدقہ کر دیا ہے، علی کی

بیٹی صدقہ دے کر واپس نہیں لیتی.....“

حسین نے جب دیکھا کہ زینب قریب نہیں آ رہی تو کہا:

”بہن تجھے میرے حق کی قسم! ذرا قریب آ۔“

## مجلس ہفتم

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله لرب العلمين والصلوة والسلام على نبي الامي  
المكي المدني التهامي. سيد الوحي و سراج المجي و  
كوكب دري، صاحب الوفاق والسكينه المدفون بارض  
المدينه ابا القاسم محمد (صلوة)

لا اكره في الدين قذتين الرشد من القى

(ايك دفعه مل كر صلوة پڑھ لیں!)

حضرات محترم!

ارشاد معصوم ہے کہ

”ہم پر با آواز بلند صلوة پڑھا کر ڈتا کہ تمہارے بدن سے نجاست نکلتی

رہے اور طہارت آتی رہے۔“ (صلوة)

ایک اور فرمان بھی سن لیجئے:

ماں بچے کے پاس آئی، مگر جیسے ہی شہزادی کی نظر بچے پر پڑی، خدا کی قسم! شہزادی  
نہنہب نہنہب نہ رہی، چہرہ کندن کی طرح سرخ ہو گیا۔ ہاتھوں میں کچکی نہ تھی، پاؤں میں لرزہ  
نہ تھا، دل میں دھڑکن کی تیزی نہ تھی..... ایک دم بچے کو دیکھا تو بچے نے کانپتے ہوئے ہاتھ  
ماں کے قدموں پر رکھ دیئے اور آخری ہنگلی لیتے ہوئے صرف اتنا کہا:

”اماں! اب تو راضی ہو نا.....!“



”ہماری ذات پر اونچی آواز میں صلوٰۃ پڑھنے کا اثر یہ ہے دلوں سے منافقت کا خاتمہ ہو جاتا ہے.....“ (صلوٰۃ)

حضراتِ محترم!

میں آپ حضرات کا مسلسل توجہات کے لئے شکرگزار ہوں، خداوند عالم آپ حضرات کی محنت کو اپنی بارگاہِ اقدس میں بحق جناب سیدہ صلوٰۃ و سلام اللہ علیہا قبول و منظور فرمائے..... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ لوگ سارا دن مصروف رہتے ہیں مجھے آپ کی تھکاؤ کا بھی احساس ہے..... لاؤڈ سپیکر بھی خراب ہیں، لیکن آپ میری طرف توجہ فرمائیں گے تو طمّہ کے لال کے صدقے میں یہ خود بخود کام شروع کر دیں گے۔

میں گزارش کر رہا تھا کہ آپ نے جس محبت سے اور جس خلوص سے میری معروضات کو سنا، خداوند عالم آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ میرا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم جو یہاں فاطمہ کے لال کے صدقے میں جمع ہوتے ہیں تو کم از کم ہماری معلوما میں اضافہ ہوتا رہے..... اور یہ دس دن باب مدنیہ العلم کی یونیورسٹی کی کلاسیں لگتی رہیں۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم حقیقتوں کو دل و دماغ تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ارشاد الہی ہو رہا ہے:

لا اکراه فی الدین

”دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔“

قد تبین الرشید من الغی

”ہدایت کو نیکی کو گمراہی کے مقابلے میں بڑا واضح کر کے بڑا کھول

کے بیان کر دیا گیا ہے۔“

آج میں اس کی وضاحت یوں کروں گا کہ بچہ بچہ اس کو سمجھے اور بڑے بزرگ جو

بیٹھے ہیں وہ تو سمجھے سمجھائے ہوئے ہیں، کہیں نہ کہیں میری اصلاح کرتے رہیں.....

اصول دین وہ ہیں کہ جن میں اصل عقائد شامل ہیں اور لفظ دین کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس میں جبر نہیں۔ اب دین کا تعلق ہے اصول دین سے اور اصول دین کا تعلق ہے دین سے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اصول پائے جاتے ہیں تحقیق کے ساتھ اور فروع مانے جاتے ہیں تقلید کے ساتھ..... (توجہ چاہتا ہوں سامعین!)

اصول دین میں توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت شامل ہیں۔ ہمارے پانچ اصول دین ہیں اور باقی ۷۲ فرقوں کے تین! افسوس صرف اس بات کا ہے کہ ہمارے اصول بھی ایک جیسے نہ رہے، کہیں پانچ ہیں اور کہیں تین ہیں، اردو کے محاورے میں اسے کہتے ہیں، تیا پانچا کر دینا.....

سامعین محترم!

تو میں کہہ رہا تھا اصول دین میں توحید ہے، نبوت ہے، امامت ہے، قیامت ہے اور عدل ہے۔ ان سب کو مانا جاتا ہے تحقیق کے ساتھ! توحید یعنی اللہ کو احد اس لئے نہیں مانا جاتا کہ چونکہ ہمارے بزرگ مانتے تھے اس لئے ہم بھی اپنے بزرگوں کی پیروی اور تقلید کرتے چلیں گے۔ اصول میں تقلید نہیں ہے بلکہ آپ کو چاہئے کہ آپ تحقیق کریں اور جب آپ کی عقل و فکر تسلیم کر لے کہ خدا احد ہے، خدا یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تو ایسی صورت میں آپ توحید کو قبول کریں۔

توجہ فرما رہے ہیں آپ میری بات پر..... آج بڑے اطمینان اور بڑے سکون سے میری معروضات سنئے گا، آج آپ جب تک سنیں گے یہی سنا تا چلا جاؤں گا۔ آج نہ مجھے کچھ جلدی ہے نہ آپ کو جلدی ہونی چاہئے..... (صلوٰۃ)

میں گزارش یہ کر رہا ہوں کہ آدی یہ سوچتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے تو پھر نماز پڑھنے کی سزا کیوں ہے؟ روزہ نہ رکھنے کی سزا کیوں ہے؟

توجہ کیجئے تو سزا صرف ملتی ہے تو فروع دین میں، کیونکہ فروع کا تعلق ہے اعمال



لکھا، کیا یہ تاریخ میں ہوا تھا؟ تو انہوں نے کہا، ہوا تھا۔ میں نے کہا، کیا واقعہ ہوا؟ تو انہوں نے باقاعدہ بیان کیا کہ بظاہر سرکارِ دو عالم کی آنکھیں بند ہوئیں تو اہل بیت و صحابہ کرام وہاں موجود تھے انہوں نے رونا شروع کیا۔ جب رونے کی آہ و بکا بلند ہوئی تو ایک جلیل القدر شخصیت نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ لوگوں نے کہا، حضور! سرکارِ دو عالم اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں تو انہوں نے ہر رونے والے کو روکا اور کہا، خبردار! جب تک میں تصدیق نہ کر لوں کسی کو نہیں رونا۔ پھر اسی شخصیت نے ایک اور بزرگ ہستی کو بلایا، وہ کہیں ساتھ والی بستی میں گئے ہوئے تھے، جب وہاں سے تشریف لائے تو جا کر جائزہ لیا اور اس امر کی تصدیق کی کہ واقعاً سرکارِ دو عالم اس دنیا سے چلے گئے ہیں اور دنیا کی ہر شے فانی ہے باقی رہنے والی بات ہے تو اللہ کی.....

میری بات پہ غور ہے صاحبان!

یہ وہ واقعہ ہے کہ جس کو شیعہ مورخین نے لکھا اور اس سے انکار نہیں کیا، چنانچہ ابھی یہاں بحث و مباحثہ چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے خبر دی کہ انصار کے دو قبیلے اوس و خزرج اسی امر پر بحث کر رہے کہ پیغمبرؐ کے بعد ان کا قائم مقام کون ہوگا؟.....

اوس کہتے تھے ہماری خدمات زیادہ ہیں، خزرج کہتے تھے ہماری خدمات زیادہ ہیں۔ دونوں جھگڑ رہے تھے ایک کہتا تھا جانشینی رسولؐ ہم میں سے ہونا چاہئے، دوسرا کہتا تھا نہیں، ہم میں سے ہونا چاہئے۔ جیسے ہی یہ خبر یہاں پہنچی تو یہاں سے بھی کچھ لوگ وہاں سقیفہ میں پہنچ گئے..... اب یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ سقیفہ کہتے کسے ہیں؟ میں تاریخ طبری کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں، سقیفہ کہتے ہیں چھت کو سقیفہ کہتے ہیں چھپر کو۔ ریگستان کا ماحول تھا، مدینے سے دو تین کلومیٹر پر جہاں خزرج قبیلے کے انصار کے لیڈر سعد بن عبادہ کا مکان تھا اور ان کے مکان کے ساتھ وہ چھپر یعنی سقیفہ واقع تھا، مورخین کا کہنا ہے کہ دن کو تھکے ماندے مسافر چلچلاتی دھوپ سے عاجز آ کر اس کے نیچے آرام کرتے تھے اور

رات کے وقت چور اور ڈاکو چوری اور لوٹ کا مال یہاں تقسیم کرتے تھے..... (توجہ ہے صاحبان یا نہیں! ایک صلوٰۃ پڑھ لیں!)

چنانچہ یہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور وہاں پہنچے تو پھر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ تین دن متواتر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ انصار کہتے تھے کہ ہماری خدمات زیادہ ہیں، مہاجرین نے کہا کہ نہیں، ہم سرکار کے ساتھ وہاں سے ہجرت کر کے آئے ہیں، ہم نے تکلیفیں برداشت کی ہیں، ہم نے مصیبتیں اٹھائی ہیں، لہذا یہ حق ہمارا بنتا ہے اور یہ حق انصار کا نہیں بنتا۔ پھر کیا ہوا؟ پھر یہ ہوا کہ ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو پھر دوسروں سے کہا کہ تم بھی یہ بیعت کرو اور کوئی یہاں سے ہل نہیں سکتا جب تک کہ وہ بیعت نہ کر لے۔ اس طریقے سے یہ سلسلہ بیعت چلتا رہا۔

ادھر جو کچھ حضرات پیغمبر اکرمؐ کے پاس تھے ظاہر ہے کہ ان میں علی امیر المومنینؑ تھے، حسینؑ تھے، صحابہ کا ایک خاص طبقہ تھا جو نبی کے جنازے کے پاس بیٹھا ہوا تھا، سلمانؑ تھے، ابوذرؑ تھے، مقدادؑ تھے، حذیفہ یمانیؑ تھے، بلال حبشیؑ تھے، اسی طرح دو چار اور صحابہ کرام بھی وہاں جمع تھے..... چنانچہ باقی سب حضرات نے سقیفہ میں بیعت کر لی، لیکن یہ لوگ جو یہاں جمع تھے انہوں نے بیعت نہ کی، یہ یہیں پر نبی اکرمؐ کی میت اطہر کے پاس بیٹھے رہے۔ میرے مولا علیؑ نے تین دن تک پیغمبر اکرمؐ کی لاش کو رکھا، یہ تین دن تک کیوں رکھا؟ دنیا کہتی ہے کہ علیؑ کو سیاست نہ آتی تھی، علیؑ تو پاکیزہ سیاست کا شہنشاہ اصلی و حقیقی تھا۔ علیؑ کو معلوم تھا کہ میں نے اگر رسول اکرمؐ کے جنازے کو جلدی دفن کرنے کی کوشش کی تو کیا نتیجہ نکلے گا۔

عزیزانِ محترم!

اس کے لئے دو روایتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کا وصال ہوا پیر کے دن اور میت دفن ہوئی بدھ کی شام کو..... اور دوسری روایت ہے کہ بدھ کو انتقال ہوا اور میت دفن

ہوئی جمعہ کی شام کو..... چنانچہ تین دن تک میرے مولانا نے نہ صرف میت کو رکھا بلکہ اعلان کرواتے رہے کہ آؤ نبیؐ کا جنازہ پڑھو اپنے نبیؐ کے جنازے میں شرکت کرو۔ میرے مولانا نے کبھی سلمانؑ کی ڈیوٹی لگائی، کبھی ابوذرؓ کی ڈیوٹی لگائی، کبھی مقدادؓ کی ڈیوٹی لگائی..... اور وہ گلی گلی گھوم گھوم کر یہ اعلان کرتے رہے۔ چنانچہ جنازہ رسولؐ کو مسلسل اور متواتر تین دن تک رکھ کر ایک طرف تو میرے مولانا نے اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا کیونکہ آنے والا مورخ یہ الزام لگا سکتا تھا کہ علیؑ نے کسی کو شرکت کا موقع ہی نہیں دیا، تو دوسری طرف علیؑ نے تین دن تک بغیر کسی ایئر کنڈیشنڈ روم کے، بغیر کسی کولڈ سٹوریج کے، بغیر کسی برقی سل کے نبی اکرمؐ کی میت کو چلچلاتی دھوپ اور مدینے کی سخت گرمی میں یہ ثابت کر دیا کہ پیغمبرؐ تمہارے جیسا بشر نہیں ہے اور تین دن کی چلچلاتی دھوپ اور سخت گرمی کے باوجود بھی تاریخ کے کسی کونے سے کوئی بدترین دشمن بھی پکار کر یہ نہ کہہ سکا کہ نبیؐ کے جسم میں کسی قسم کی خشکی و خرابی پیدا ہوئی ہو۔ (نعرہ حیدری)

توجہ میرے سننے والو!

(میری بات کو غور سے سن رہے ہیں آپ!..... مجھے کسی قسم کی داہ واہ کی ضرورت ہے ضرورت ہے تو اس امر کی ہے کہ میں نے جو محنت اور ریسرچ (Research) کی ہے آپ اپنے دل و دماغ میں اسے جگہ دیتے جائیں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تاریخ کے مسائل کیا ہیں؟ انشاء اللہ میں آپ کو اس طرح ایمان کے چمن زار تک پہنچاؤں گا کہ خارزار کے خاروں سے آپ کا دامن تار تار ہونے کی بجائے گل بہار ہو جائے۔)

سامعین!

نہ رسولؐ کا جسم پھولا، نہ شکل بدلی، نہ کسی قسم کی بو آئی، بلکہ پیغمبرؐ کے جسم میں چلچلاتی دھوپ میں تین دن پڑے رہنے کے باوجود بھی ویسی ہی تازگی تھی، جیسی کہ زندگی میں پھونا

کرتی تھی۔ علیؑ نے قیامت تک کے لئے یہ بات ثابت کر دی کہ نبیؐ کے جسم سے تین دن کی شدت، چلچلاتی دھوپ اور گرمی کے زور کے باوجود روح کے نکل جانے کے بعد بھی ذرہ بھر تبدیلی اور خرابی نہیں آئی، ذرہ بھر بیماری میں ذہن میں خرابی بھلا کیسے آ سکتی ہے.....؟ (نعرہ حیدری)

توجہ چاہتا ہوں سامعین!

پھر جنازہ اٹھایا رسولؐ کا علیؑ نے..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ہم کہے کہ جناب پیغمبرؐ کے بعد آپ لوگوں نے بیعت کیوں نہیں کی؟ معاف کیجئے اس لئے نہیں کی کہ ہمارا دور تو ۱۴ سو سال دور ہے۔ آپ ہم سے کہتے ہیں وہاں جا کر تو کتنے صحابہ نے بھی بیعت نہیں کی.....! مسلمانؑ نے بیعت نہیں کی ابوذرؓ نے بیعت نہیں کی، حذیفہؓ نے بیعت نہیں کی، مقدادؓ نے بیعت نہیں کی۔ یہ سبھی تو صحابی ہیں اور ان میں وہ صحابی بھی ہیں جن کو پیغمبرؐ نے کہا تھا:

منا اهل البيت

”یہ میری اہل بیت میں سے ہیں۔“

ہم نے بیعت نہیں کی تو انہی صحابی کی پیروی میں نہیں کی، جنہیں آپ بھی ماننے والے ہیں اور ہم بھی ماننے والے ہیں.....! ہم نے صحابہ کرام کا دامن نہیں چھوڑا، ہم نے ان کو مانا، ان کی پیروی کی اور جب علماء کہتے ہیں کہ

کل ہم عدول

”سارے صحابہ عادل ہیں۔“

جو وہاں گئے وہ بھی عادل اور جو یہاں رہے وہ بھی عادل ہیں، تو پھر جب دونوں برابر ہیں تو ہم پر ان کی پیروی کرنے پر اعتراض کیسا؟ کہتے ہیں آپ نہیں گئے وہاں پر! ارے بھائی، یہ بھی تو نہیں گئے وہاں، نہ بھی تو صحابی ہیں۔

(توجہ چاہتا ہوں!) تو آپ نے انہیں مانا جنہوں نے وہاں مانا، ہم نے انہیں مانا جنہوں نے وہاں جا کر نہیں مانا۔ نبیؐ کی میت نہیں چھوڑی..... ہم کوئی بحث تھوڑی ہی کرتے ہیں، ہم تو دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کا حشران کے ساتھ کرے، جنہیں آپ نے مانا اور ہمارا حشران کے ساتھ کرے جنہیں ہم نے مانا..... (نعرہ حیدری)

بزرگانِ محترم!

جیسے ہی نبی اکرمؐ کی میت دفن ہوگئی.....

جنائزے تو آج بھی اٹھتے ہیں اور ایسے جنازے بھی اٹھتے ہیں کہ تابوت میں میت نہیں ہوتی..... محرم کے ایام تھے اندر سے تابوت خالی تھے اور جو تھوڑی راہ رکھی تھی یہ کفن نہ چل سکا کہ ہے کس کی اور جنازہ جا رہا تھا اسلام آباد میں..... اور بڑے بڑے مہربانی صاحبان جن کے تابوت کے نام ہی سے نکاح ٹوٹتے تھے وہ اس تابوت کے پیچھے چل رہے تھے..... (توجہ چاہتا ہوں!) آج تک کسی کو خیال نہ آیا کہ کس کس کا نکاح ٹوٹا۔ پیغمبر اکرمؐ کا جنازہ پڑھا میرے مولا علیؑ نے، کفن دیا میرے مولا علیؑ نے، نہلایا میرے مولا علیؑ نے..... اب جو یہ سوال کیا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ کا فرقہ کونسا تھا؟ ارے تم نبی اکرمؐ کے فرقے کی بات کرتے ہو، سید ہونے کے ناطے تو کبھی کبھی میرا خون بھی کھولتا ہے۔ بھئی! اگر کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہ میت کس کی آ رہی ہے تو دیکھا یہ جاتا ہے کہ اٹھانے والے کون ہیں؟

(توجہ چاہتا ہوں!) سیدھی سادی ہی بات ہے، بھئی! اگر میت ہندوؤں نے اٹھائی ہوئی ہے تو سمجھ لو کہ کسی ہندو کی میت ہے، مسلمانوں نے اٹھائی ہوئی ہے تو سمجھ لو مسلمانوں کی میت ہے، شیعوں نے اٹھائی ہوئی ہے تو پتہ چل جائے گا کہ میت اہل سنت ہے، شیعوں نے اٹھا رکھی ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ مرنے والا شیعہ ہے۔ یہ تو کامن سنس (Common Sence) کا فیصلہ ہے..... بلکہ عقل کا اندھا بھی یہ دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ میت کو اٹھانے

والے کون ہیں اور میت کس فرقے کی ہے..... بات آگئی ذہن میں!

اب میں پوچھتا ہوں لوگوں سے کہ ابوطالبؑ کافر تھے یا مسلمان؟ اگر ساری عمر تمہیں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ابوطالبؑ کا مذہب کیا ہے تو پھر یہ دیکھو کہ ابوطالبؑ کا جنازہ کس نے اٹھایا ہے؟

(توجہ چاہتا ہوں!) ابوطالبؑ کی میت کس نے اٹھائی؟ پوچھو تاریخ سے نہ ابولہب آیا، نہ ابو جہل آیا، نہ عقبہ آیا، نہ عتبہ آیا۔ آگے سے میت اٹھا رکھی ہے، محمد مصطفیٰؐ نے پیچھے سے علی مرتضیٰؑ نے۔ محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کسی کافر کی میت نہیں اٹھاتے..... (نعرہ حیدری) اور نبی اکرمؐ کے بارے میں یہ سوال ہی کتنا گھٹیا اور احمقانہ ہے کہ نبی اکرمؐ کس فرقے کے تھے اور اگر فرقے کی اتنی ہی تلاش ہے تو دیکھو اس کی میت کس نے اٹھائی ہوئی ہے، کفن کس نے پہنایا؟ غسل کس نے دیا؟..... کفن پہنایا علیؑ نے، غسل دیا علیؑ نے، میت اٹھائی علیؑ اور علیؑ والوں نے۔ جا کر تاریخ سے پوچھ کہ وہ کس مذہب کے تھے..... میں کہتا ہوں کہ جب کفن ہی علیؑ نے پہنایا تو اسلام کے ۷ فرقوں کے لوگوں نے کفن کے طریقے ہی بدل لئے، علیؑ والا کفن تو صرف ایک ہی فرقہ پہناتا ہے۔

(توجہ چاہتا ہوں!) ایک ہی فرقہ علیؑ والا کفن پہناتا ہے اور قبر کے فرشتے بھی وہی ہیں جو ہر کسی کی قبر میں جاتے ہیں، تو کیا فرشتوں نے نہیں دیکھا ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے کیسا کفن پہنایا ہے؟ فرشتوں کا جافظہ ملاؤں کی طرح کمزور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قبر میں وہ فرشتے آتے ہیں اور آتے ہی دیکھتے ہیں کہ کفن نبیؐ کی طرح کا ہے یا کوئی اور ہے..... میں کہتا ہوں علیؑ والے کا تو کفن ہی دیکھ کر فرشتہ سمجھ جاتا ہے، اب اسی کا حساب و کتاب کیسا؟..... یہ علیؑ والا کفن ہے، یہ وہی کفن ہے جو نبیؐ کا کفن تھا۔

(تھک گئے ہو تو میں ختم کر دیتا ہوں اپنا بیان.....! نعرہ حیدری)

عزیزانِ محترم!

(توجہ کیجئے گا!) ادھر منگ ختم ہوئی، ادھر رسولؐ ختم ہوئے۔

اور سے علی آ رہے تھے رسولؐ کو دفن کر کے راتے میں ملاقات ہوئی۔ میرے مولانا نے پوچھا:

”کیا ہوا؟“

ایک بزرگ نے کہا کہ

”لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔“

کہا:

”کیسے؟“

جواب:

”اکثریت مہاجرین کی۔“

میرے مولانا نے کہا:

”اکثریت تو انصار کی تھی مہاجرین کی تعداد تو کم تھی۔“

کہنے لگے:

”نہیں! یا علی! میں نے ان کے سامنے ایک دلیل دی۔“

علی نے کہا:

”تو پھر اکثریت سے تو فیصلہ نہیں ہونا! دلیل سے بات منوائی آپ

نے..... دلیل کیا دی تھی تم نے؟“

کہنے لگے:

”ہم نے کہا تھا کہ ہم قریش سے ہیں اور قریشی نبی اکرمؐ کے رشتہ وار

ہیں۔ یہ سن کر انصار چپ ہو گئے۔“

میرے مولانا نے پلٹ کر کہا:

”جو تمہاری دلیل انصار پر ہے وہ ہی میری دلیل تم پر ہے۔ اب اس

سے زیادہ میں تاریخ کو آسان اور غیر جانبدار طریقے سے بیان ہی

نہیں کر سکتا۔“

علی نے کہا:

”میری وہی دلیل تم پر..... فیصلہ کرواؤ تاریخ سے کہ نبیؐ کے زیادہ

قریب میں ہوں کہ تم؟“

آج تک علیؑ کے اس قول کا جواب نہ کسی نے دیا اور نہ کسی نے دینے کی جرات

کی۔

توجہ ہے!

یہ واقعہ کہلاتا ہے سقیفہ..... یہ واقعہ شیعہ مورخین نے بھی لکھا اور شیعہ مورخین یہ تسلیم

کرتے ہیں کہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ اب میں نے سنی مورخین سے پوچھا، کیونکہ میں نے

دونوں استادوں سے پڑھا ہے شیعہ سے بھی سنی سے بھی۔ میں نے کہا، جناب یہ غدیر کا واقعہ

بھی ہوا یا نہیں؟ کہنے لگے ہوا۔

میں نے سنی مورخین سے پوچھا، تو پھر کیا واقعہ ہوا؟ انہوں نے کہا، صاحب! یہی

اکرمؐ آخری حج سے واپس آ رہے تھے۔

(میں یہ بات اس لئے تفصیل سے بیان کر رہا ہوں کہ یہ جو نوجوان بیٹھے ہیں ان

کے پاس ٹائم نہیں ہے، کہاں کہاں یہ بیچارے مطالعہ کریں گے، یہاں ہزاروں کتابوں کا نچوڑ

فاطمہؑ کے لال کے صدقے میں حاضر ہے)۔

تو میں نے پوچھا، کیا ہوا غدیر کا واقعہ؟

جواب ملا، نبی اکرمؐ حجۃ الوداع سے واپس آ رہے تھے کہ راتے میں جبرائیلؑ وحی

لے کر اتر اور اس نے کہا:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

”اے پیغمبر! وہ پیغام پہنچا دس جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر“

نازل کیا گیا ہے۔“

مگر پیغمبرؐ چپ کر کے آگے چل دیئے اور یہ موقع تھا کہ جبرائیلؑ نے آ کر کہا ہو پیغمبرؐ نے سنا ہوا اور پھر رکے نہ ہوں۔ پیغمبرؐ چلتے رہے ایک منزل طے کی تو جبرائیلؑ پھر آ گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کہہ رہا ہے:

وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

”اگر تم نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو گویا رسالت ہی نہیں پہنچائی۔“

یہ جو ترجمہ کیا جاتا ہے نا! کہ رسالت کا کوئی کام نہیں کیا تو یہ کام دام ترجمہ نہیں ہے۔ یہ کام کس لفظ کا ترجمہ ہے:

فما بلغت رسالتہ

”تو رسالت ہی نہیں پہنچائی۔“

پیغمبرؐ نے پھر بھی پرواہ نہیں کی۔ مورخ نے لکھا کہ پیغمبرؐ پھر بھی چلتے رہے..... میں کہتا ہوں علی دشمن آرگنائزیشن اتنا مضبوط ہو چکا تھا..... آخر جب غدیر کے مقام پر پہنچے تو جبرائیلؑ پھر آیا اور اس نے کہا:

واللہ بعصمک من الناس

اللہ کہتا ہے:

”فکر نہ کر میں ضمانت دیتا ہوں پیغام پہنچا میں تجھے لوگوں کے شر سے

محفوظ رکھوں گا۔“

جیسے ہی یہ سنا کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں کے شر سے میں بچاؤں گا تو رسولؐ غدیر کے مقام پر سواری سے اتر پڑے۔

سامعین!

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پیغام رسولؐ غدیر میں پہنچانا چاہتے ہیں یعنی اعلان

دلائل و امامت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سامنے شریعت پیدا کرنے والوں اور شور مچانے والوں کو اللہ نے مسلمان بھی نہیں لکھا، لوگوں میں شمار کیا ہے..... اللہ نے کہا:

”میں تمہیں لوگوں کے شر سے بچاؤں گا.....“

اگر پڑھے لکھے حضرات بیٹھے ہیں تو وہ میری اس محنت پر بھی توجہ رکھیں کہ گویا جبرائیلؑ نے لوگوں کے شر کا نام لے کر یہ بات واضح کر دی کہ

وخیرہ و ضرہ من اللہ

شر اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، شر لوگوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کہہ رہا ہے کہ میں بچاؤں گا لوگوں کے شر سے.....!

رسولؐ غدیر کے مقام پر اتر پڑے اور بلالؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ جو آگے چلے گئے انہیں واپس بلاؤ۔ بلالؓ نے انہیں واپس بلانے کے لئے یہ جملہ استعمال کیا:

حی علی خیر العمل، حی علی خیر العمل

توجہ!

جو آگے گئے انہیں واپس بلایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔ جبرائیلؑ کھڑا دیکھتا رہا۔

صاحبان! آپ کی بوریت کو دور کرنے کے لئے بیان کرتا چلوں کہ کبھی کبھی ریلوے کے سفر کے دوران پھاٹک بند ہوتا ہے لائن لگی ہوئی ہے ٹرانسپورٹ کی۔ لوگ پوچھتے ہیں، بھئی! کیا ہو رہا ہے؟ جواب ملتا ہے جناب! انجن شٹنگ کر رہا ہے۔ ٹی ٹی بھائی! یہ شٹنگ کیا ہوتی ہے؟ جواب ملتا ہے جو اسگے ڈبے میں ہیں وہ پیچھے لا رہا ہے اور جو پیچھے والے ہیں وہ آگے لا رہا ہے.....

میں نے سوچا کہ غدیر کے میدان سے ریلوے والوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ میدان غدیر میں رسولؐ کے فرمان کے مطابق جبرائیلؑ مسلمانوں کی شٹنگ (Shunting) کر رہا

تھا آگے والے ڈبے پیچھے لارہا تھا۔ (نعرۂ حیدری)

اور پچھلے ڈبے آگے لارہا تھا۔ گری اتنی تیز تھی کہ آفتاب خیمہ نیلی قام کا کلس بنا ہوا تھا سینے پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے ماتھے پر عرق جین ڈرہین کی طرح چمک رہا تھا۔ بچارے حاجیوں نے پاؤں پر کپڑے لپیٹ رکھے تھے تاکہ پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں مگر یہ کیسا اعلان تھا کہ کسی کے بیروں میں چھالے پڑ رہے تھے تو کسی کے دل میں۔ (نعرۂ حیدری)

دچی کے چھڑکاؤ نے زمین ٹھنڈی کی باد نسیم کے جھوٹے چلنے لگے، گری ٹھنڈک میں تبدیل ہوئی، حاجیوں کے شانوں پر بکھری ہوئی زلفیں لہرانے لگیں، صدر بزم نبوت، خطبہ خوانی کے لئے اٹھا کہ اب مجھے بیٹھنے کا حق نہیں ہے..... اس شان سے کہ دست حق پرست میں قرآن کی امت کی جگہ مصحف ناطق لئے ہوئے تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سورج سے چاند طلوع ہو رہا ہے یا نبوت کی انگوٹھی پر امامت کا گلینہ جڑا جا رہا ہے یا پھر یسین کے ہاتھوں پر قرآن کی تفسیر جگمگا رہی ہے۔ دلوں پر اپنی حاکمیت کا سکہ جما کر رسول معظم نے فرمایا:

انا من كنت مولاہ یا ایہا الناس

”میں کس کس کا مولا ہوں؟“

دین رسالت سے آواز کا نکلنا تھا کہ ذرہ ذرہ ناطق کی زبان بن گیا اور بولنے لگا۔ عرش والوں نے کہا ہمارا مولا قرش والوں نے کہا ہمارا مولا زمین والوں نے کہا ہمارا مولا آسمان والوں نے کہا ہمارا مولا براؤں والوں نے کہا ہمارا مولا بہاؤں والوں نے کہا ہمارا مولا پہاڑ والوں نے کہا ہمارا مولا..... بقول علماء تورات والوں نے کہا ہمارا مولا اور جب ہر ایک سے مولا نیت کا اقرار لے لیا تو اب فرمایا:

فہذا علی مولا (نعرۂ حیدری)

”جس جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔“

عزیزان من!

(پڑھے لکھے حضرات متوجہ رہیں!) اب یہاں پر حالت یہ ہے کہ جب علی کے

فضائل میں کوئی بات آئے تو فکر کے زاویے ٹیزھے ہوتے ہیں۔ یہاں کسی نے اعتراض کیا کہ

”سرا یہ تو کلام رسول ہی نہیں لگتا۔“

میں نے اس سے پوچھا:

”کیوں نہیں لگتا؟“

کہنے لگے:

”یہ جو ”ہذا“ کہا تبخیر نے یہ کلام فصاحت و بلاغت سے گر گیا اور نبی فصاحت و بلاغت سے گری ہوئی گفتگو نہیں کرتا.....“

میں نے کہا:

”کیسے گر گیا؟“

کہنے لگے کہ

”بھئی! جب دو خبریں ہوں اور ایک کو ہٹانا مقصود ہو مثلاً یہ پیکیر دو رکھے ہیں تو میں کہوں گا کہ یہ پیکیر ہٹا دو۔ یہ پیکیر کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا رہنے دو اور اگر پیکیر ہی ایک ہو اور میں کہوں کہ یہ پیکیر ہٹا دو تو لوگ یہ سوچیں گے کہ یہ ادب کے قوانین سے ناواقف ہے یہ وہاں لگتا ہے۔ یہاں تو یہ کہنا چاہئے کہ پیکیر ہٹا دو کیونکہ ہے ہی ایک۔ یہ تو وہاں لگتا ہے جہاں دو ہوں کہ یہ ایک ہٹا دو اور دوسرا رہنے دو اور جب خم غدیر کے میدان میں علی ایک تھا تو پھر.....! جب محمد نے غدیر کے میدان میں علی ایک ہی تھا تو تبخیر کو کہہ دینا چاہئے تھا جس جس کا میں مولا اس کا علی مولا۔ یہ کیوں کہا ”ہذا علی“ یہ علی مولا۔ اس ”ہذا“ نے کلام کو فصاحت سے گرا دیا لہذا یہ نبی کا کلام نہیں لگتا۔“

میں نے کہا:

”میں قربان ہو جاؤں تیری اس عقل پہ..... میں نے کہا علیؑ کے فضائل کا اللہ خود محافظ ہے اور پیغمبرؐ قیامت تک آنے والے تیرے جیسے انسانوں کے دل کی گہرائیوں میں دیکھ رہے تھے۔ پیغمبرؐ کا کلام فصاحت و بلاغت سے کبھی نہیں گرتا اور یہاں ”ہذا“ کہنا عین فصاحت و بلاغت ہے۔“

کہنے لگا:

”وہ کیسے؟“

میں نے کہا:

”معاذ کرنا، قرآن نے یہ بتایا کہ علیؑ ایک نہیں ہے علیؑ دو ہیں ایک وہ جو ساری کائنات کا خالق ہے اس کا نام بھی علیؑ ہے.....“

(نعرہ حیدری)

توجہ!

اللہ نے اپنے لئے کہا ”وہو العلی العظیم“ وہ بھی علی عظیم ہے اللہ کا نام بھی علی ہے میرے مولا کا نام بھی علی ہے۔ مگر پیغمبرؐ کہتے کہ جس کا میں مولا اس کا علی مولا تو تیرے جیسا کھڑا ہو کر کہتا کہ یہاں علی سے مراد وہ علی ہے وہ علی ہے اور پیغمبرؐ نے کہا وہ علی نہیں ”ہذا علی“ ہے اور جب اس کا اعلان ہو گیا تو جلیل القدر صحابہ کرام نے مبارک بادوی اور مبارکباد میں کہا:

بنح یا علیؑ

”مبارک مبارک یا علیؑ“

مولای و مولا کل مومن و مومنة

یہ سنی شیعہ تاریخوں کے جملے ہیں، شخصیت کا نام بالکل نہیں لوں گا نہ وہاں نہ یہاں۔

توجہ چاہتا ہوں صاحبان!

اس لئے کہ لوگ پھر کہتے ہیں کہ تنقید ہو گئی ہے یہاں نام نہیں لیتا۔ واقعات میں یہ ایسا واقعہ ہے کہ جس کا کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے مبارکباد نہ دی ہو۔ پیغمبرؐ نے علیؑ سے کہا تم اس خیمے میں بیٹھ جاؤ اور سب سے کہا کہ اب علیؑ کو مبارک باد دو اور ہاتھ ہاتھ بھی رکھو۔

توجہ کیجئے گا!

انہوں نے کہا صاحب یہ واقعہ ہوا غدیر میں! وہ سفیفہ کا واقعہ ہے یہ غدیر کا واقعہ ہے۔ اب کوئی چلتا ہے اس واقعے کی پیروی میں اور کوئی چلتا ہے اس واقعے کی تہلیل میں..... اب ان دونوں واقعات کو سامنے رکھئے شخصیات کی بحث کو چھوڑ دیجئے۔ جب میں طالب علمانہ تجربہ کیا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ دونوں واقعات میں فرق یہ ہے کہ غدیر نبیؐ کی زندگی کا واقعہ ہے سفیفہ ہے نبیؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کا واقعہ..... غدیر میں نبیؐ بھی موجود ہے قرآن بھی اتر رہا ہے سفیفہ میں نہ نبیؐ ہے نہ قرآن اتر رہا ہے۔ وہاں حدیث موجود ہے کہ پیغمبرؐ بول رہے ہیں یہاں حدیث بھی نہیں ہے کہ پیغمبرؐ جا چکے ہیں۔ وہاں پر کسی کا اختلاف بھی نہیں یہاں آپس میں جھگڑا بھی چل رہا ہے۔

بھئی! بڑے غور سے سنئے گا یہاں چند سو کا مجمع اس لئے کہ جو افراد آئے ہوئے تھے پچارے مدینہ ہی کے تھے یا کچھ مکے سے تجارت وغیرہ کے لئے آئے ہوئے تھے اور وہ اچانک آگئے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد ۸۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ یا پھر سو سو (۱۲۵) تک لکھی گئی ہے..... سفیفہ میں ۱۰۰ سو سو (۱۲۵) کا مجمع غدیر میں سو لاکھ کا مجمع..... (توجہ!) سفیفہ میں نہ

علیؑ ہے نہ حسنؑ ہے نہ حسینؑ ہے نہ حذیفہ یمانیؑ ہے نہ سلمانؑ ہے نہ مقدادؑ ہے نہ ابوذرؑ ہے نہ بلالؑ ہے اور غدیر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو نہیں ہے۔ (نعرہ حیدری)

سامعین!

آج مسلمانوں کے جتنے بھی فرقے ہیں سب کے ہیڈ (Head) سب کے لیڈرز سب کے قائد غدیر میں موجود ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غدیر کا منکر اسلام کے کس فرقے سے تعلق رکھے گا؟

(جان من! میری بات پر غور کیجئے گا!) مزے کی بات یہ ہے کہ غدیر میں نبیؐ نے علیؑ کو اٹھایا تو کسی نے اعتراض نہ کیا کہ سرکارؐ ہم نے بھی آپؐ کو اٹھایا تھا آج ہمیں بھی اٹھا لو! (توجہ.....!) نہیں ابھی میں واضح نہیں کر سکتا.....

دیکھیں! غدیر میں نبیؐ کے ہاتھوں پر علیؑ سقیفہ کے دوران نبیؐ کی میت پڑی ہوئی ہے جو علیؑ نے اٹھائی ہے تو نتیجہ میں سمجھ میں آیا کہ غدیر میں نبیؐ کے ہاتھوں پر علیؑ ہے اور سقیفہ میں علیؑ کے ہاتھوں پر نبیؐ ہے.....!

عزیزو!

بس! تفصیل اب پھر کبھی اب وقت تمام ہوا بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ کچھ نے غدیر کی سقیفہ کی کچھ نے غدیر کی غدیر کی۔ ہمارے ہاتھ میں دامن ہے غدیر کا اب اس کو داسنڈ اپ (Wind up) کرتا ہوں.....

اگر جارہے ہو تو پڑھے لکھوں کے لئے ایک جملہ کہتا ہوں سقیفہ سے چلی خلافت غدیر سے چلی امامت! خلافت چلتے چلتے بڑید تک پہنچی امامت چلتے چلتے حسینؑ تک پہنچی۔ (نعرہ حیدری)

بھئی!

(اس طرح نہیں با آواز بلند نعرہ حیدری!)

توجہ ہے یا نہیں! بار بار بار اصرار تھا تو میں نے کہا بھئی! میں جتنے کنٹرولورش ٹاپک (Controversial Topic) ہیں وہ ایکس کرتا ہوں، کوشش ہوتی ہے کہ بیان نہ کروں، لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو دو واقعات کے حوالے سے بیان کروں گا اور فیصلہ آپ پر چھوڑ دوں گا۔ مجھے یہ ضرورت نہیں ہے کہ میں کہوں کہ آپ فلاں کی بیرونی کیوں کرتے ہیں اور فلاں کی بیرونی کیوں نہیں کرتے؟ میں نے ایک طالب علمانہ تبصرہ کیا۔

دہاں سے چلی خلافت یہاں سے چلی امامت! (توجہ کیجئے گا!) خلافت پہنچی بڑید تک امامت پہنچی حسینؑ تک..... اب تاریخ پڑھ کر دیکھیں کتابیں کھنکال کر تلاش کریں کہ بڑید کس کے سلسلہ خلافت میں ہے اور حسینؑ کس کے سلسلہ امامت میں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ میرا تیسرا امام ہے مولا حسینؑ! اب تم تاریخ سے پوچھو کہ بڑید چھٹا خلیفہ کس کا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے بارہ پیش ہوئے۔ ادھر سے بارہ خلیفے ادھر سے بارہ امام ادھر سے چھٹا خلیفہ بڑید ادھر تیسرا امام حسینؑ..... اب امامت انتظار میں رہی نہ خلافت کی پہلی لڑی کو کچھ کہانہ آخری کو چھیڑا بلکہ حسینؑ نے کہا کہ جو سنٹر (Centre) والی ہے خلافت کی لڑی اسی کو توڑ دوں گا تاکہ قیامت تک خلافت کی زنجیر نہ ادھر ملے نہ ادھر ملے۔

توجہ ہے!

تو اس طریقے سے فاطمہ کے لال نے قیامت تک جموئی خلافت اور بڑید کا نام ایک گالی بنا کر رکھ دیا۔ بڑید نے کہا تھا کہ

”نبی ہاشم کے پاس کوئی وحی نہیں آئی یہ تو ان کا حکومت کا ڈھونگ ہے“

نہ کوئی رسول ہے اور نہ خدا ہے.....!"

فاطمہؑ کے لال نے یہ سنا کہ یزید لا الہ الا اللہ پر ضرب لگا رہا ہے تو پکار کر کہا:  
"میں خود منٹ جاؤں گا، فنا ہو جاؤں گا، ختم ہو جاؤں گا، مگر لا الہ کو کبھی  
نہیں منٹے دوں گا۔"

تبھی تو خواجہ اجیرؒ کو کہنا پڑا کہ

"میں حق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بنائے لا الہ حسینؑ  
ہے....." (حسینیت زندہ باد)

عزیزو!

پیغمبرؐ کی زندگی میں دین کا سہارا بنا حسینؑ کا باپ اور حسینؑ کے باپ نے کہا:  
"یا رسول اللہ! فکر نہ کریں دین کے معاملے میں ہر موقع پر میں  
آپؐ کی مدد کروں گا۔"

علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ سے مدد کا وعدہ کیا اور آج تک علیؑ کا نعرہ بتلاتا ہے کہ  
علیؑ کی مدد مسلسل چل رہی ہے۔

توجہ ہے!

تو جیسے ہی محمدؐ کو مددگار مل گیا تھا علیؑ کی صورت میں ایسے ہی فرزند علیؑ کو مل گیا  
عباسؑ کی صورت میں۔

یہ میرا مولا عباسؑ کون ہے؟ علیؑ کا علیؑ بیٹا ہے، مظہر العجائب کا مظہر العجائب بیٹا  
ہے..... علیؑ نے کہا کہ

"پروردگار مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کر جو میری دراشت کا وارث بنے، جو

میری دلیری کا وارث بنے، جو میری شجاعت کا وارث بنے۔"

اور خدا نے کہا:

"چار شعبان المعظم کو تمہیں بیٹا عطا کروں گا۔"

علیؑ کو علیؑ بیٹا عطا ہوا، مظہر العجائب کو مظہر العجائب فرزند ملا۔ مبارکبادیں آنا شروع  
ہوئیں تو عباس غازیؑ کی ماں نے کہا:

"یا علیؑ! اس نے تو ابھی تک آنکھیں ہی نہیں کھولیں۔"

علیؑ نے کہا:

"ہاں نہیں کھولے گا، میرا بیٹا جو ہوا، میں نے بھی آنکھیں نہیں کھولی  
تھیں کہ جب تک محمدؐ لینے نہیں آئے تھے اور جب تک محمدؐ کا فرزند  
اسے لینے نہیں آئے گا، یہ بھی آنکھیں نہیں کھولے گا۔"

پھر علیؑ نے آواز دے کر کہا:

"یا ابن رسول اللہ! اے فرزند رسولؐ، حسینؑ! ذرا بھائی کے پاس  
آؤ۔"

جیسے ہی حسینؑ اپنے خدا کی قسم! عباسؑ نے ہاتھ کھولنے سے پہلے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا  
دیئے۔ دنیا یہ سمجھی کہ حسینؑ کی گود میں آ رہا ہے حالانکہ وہ ماں کی گود میں ہاتھ اٹھا کر دنیا کو یہ  
بتلا رہا تھا.....

(کیسٹ ختم ہوگئی..... معذرت!)



## جلس ہشتم

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اکراه فی الدین قلدتبین الرشید من الغی

معین گرامی!

خداوند عالم آپ حضرات کی ان کاوشوں اور محنتوں کو قبول فرمائے۔ بانی مجلس کی توفیقات میں اضافہ ہوا ان کے والد گرامی کو بحق بیمار کر بلا شفا کے کاملہ و عاجلہ نصیب ہو۔ تمام مرحومین بالخصوص برادر محترم اسلم صاحب کی والدہ محترمہ کو خداوند قدوس جو اب آل محمد میں جگہ عطا فرمائے۔

حضرات محترم!

سلسلہ بیان ذہن عالی میں ہوگا۔ عشرہ محرم الحرام اب اس منزل پر پہنچ چکا ہے جہاں گفتگو تفصیل کی محتاج نہیں۔ ارشاد الہی ہو رہا ہے:

لا اکراه فی الدین

”دین میں کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے.....“

کل میں نے عرض کیا تھا کہ دین دراصل اصول دین کا نام ہے اور اصول دین میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے بلکہ اصول مانے جاتے ہیں، تحقیق کے ساتھ جبکہ فروغ مانے جاتے ہیں، تقلید کے ساتھ اور تقلید کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے..... بارہویں سرکار کی غیبت میں دین کی ذمہ داری ان علماء پر عائد کر دی گئی ہے جو نائب امام ہیں، اسی لئے سرکار کا ارشاد گرامی ہے:

فاہا من علمائنا من کان عارفاً عالماً بعلومنا.....

”ہمارے علماء میں سے جو عالم ہمارے علوم کا عالم ہوگا..... اور ہمارے حق کی معرفت رکھتا ہو..... اپنی خواہش نفس کا مخالف ہو..... اور مولاً کے امر کا اطاعت گزار ہو یعنی جب اس میں یہ سب نشانیاں موجود ہوں..... پھر عوام کا فرض بنتا ہے کہ ہماری غیبت میں اس کی تقلید کریں۔“

دوستان محترم!

مجھ سے بچوں نے بار بار یہ پوچھا ہے کہ تقلید کا مفہوم کیا ہے..... عزیزان محترم! تقلید کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ روزمرہ کے مسائل میں ہم لوگ بغیر تقلید کی تعریف جانے عملی طور پر تقلید ہی کرتے ہیں..... مثلاً جب ایک حکیم یا ڈاکٹر کسی بیماری کا نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو ساتھ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ تم نے یہ خوراکیں اس طرح استعمال کرنی ہیں اور جب آپ وہ دوا مریض کو اسی ہدایت کے مطابق استعمال کراتے ہیں کہ جو حکیم نے کی تھی تو اس کو شریعت کی زبان میں تقلید کہتے ہیں..... یا مثلاً کسی چوزا ہے پر ٹریفک کا سپاہی کھڑا ہے وہ اشارے کرتا ہے جب وہ روکتا ہے تو آپ رک جاتے ہیں اور جب چلنے کا اشارہ کرتا ہے تو آپ چلنے لگتے ہیں۔ اس کے اشارے پر عمل صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ آپ حادثے

سے محفوظ رہیں..... اور حادثے سے محفوظ رہنے کے لئے کئے گئے اس عمل کا نام تقلید ہے۔ (صلوٰۃ پڑھ لیں ایک بار محمد و آل محمد پر!)

یہ جو ذہنوں میں کبھی کبھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر تقلید کی ضرورت کیا ہے؟ ہم تو آزاد پیدا ہوئے ہیں اس لئے آزاد ہی مریں گے، کوئی ضرورت ہی نہیں کسی کے فتوے پر عمل کرنے کی۔

عزیزانِ محترم!

غور کیجئے! یہ جو اللہ نے آپ کو بدن کی مشینری عطا کی ہے اس کا مالک وہی تخلیق کرنے والا خالق ہے اور جو مشینری ہم بازار سے پرچیز (Purchase) کرتے ہیں ہم فوراً ڈکاندار سے پوچھتے ہیں اس کو چلانا کس طرح ہے؟ وہ سمجھاتا ہے کہ یہ بٹن آن (On) کر ڈ پھر یہ آف (Off) کر دینا یہ بٹن ریورس (Reverse) کا ہے یہ فارورڈ (Forward) کا ہے یہ ریکارڈنگ کا ہے۔ لیکن اگر آپ کی سمجھ میں نہ آئے اور آپ دوبارہ سہ بارہ پوچھیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے بھائی! اگر میں صرف آپ ہی کو سمجھاتا رہوں تو میری تو ڈکانداری ٹھپ ہو جائے گی..... اب جس کمپنی نے یہ مشینری بنائی ہے اس نے اس کے ساتھ ایک بک لیٹ (Booklet) بھی چھاپی ہوتی ہے۔ آپ چاہے ٹیپ ریکارڈر خریدیں چاہے لاؤڈ سپیکر، خواہ وہ ٹریکٹر ہو یا کار سب کے ساتھ یہ بک لیٹ (Booklet) میسر ہوتی ہے تاکہ آپ اس "Booklet" کو پڑھتے رہیں اور اس پر عمل کرتے رہیں حالانکہ مشینری ہم نے خریدی ہے اور پیسے بھی بھرونیے ہیں۔ اب جب خریدی ہے اور پیسے بھی ادا کر دیئے ہیں تو پوچھتے کیوں ہیں کہ کس طرح چلانی ہے یہ مشینری.....؟ خود کیوں نہیں چلا لیتے؟ دراصل آپ کو فکر اس لئے کہ آپ نے پیسے بھر کر یہ قیمتی مشینری خریدی ہے لہذا آپ چاہتے ہیں کہ اسے چلانے کا طریقہ بھی سیکھ لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے غلط استعمال کر بیٹھیں یا ایسا نہ ہو کہ کرنٹ آ جائے اور فیوز اڑ جائے یا مشینری چل جائے۔

بھائی!

جاپان مشینری بناتا ہے تو بک لیٹ (Booklet) ساتھ بھیجتا ہے جرمنی بناتا ہے تو بک لیٹ (Booklet) ساتھ امریکہ بناتا ہے تو بک لیٹ (Booklet) ساتھ۔ اب آپ سوچ کر بتائیں کہ آپ کہاں کے بنے ہوئے ہیں؟ میں نے ویسے ہی بات شروع کر دی ہے اللہ کرے کہ آپ میرا ساتھ دیتے جائیں..... بھئی! آپ میڈان جاپان (Made in Japan) ہیں؟ میڈان یو۔ ایس۔ اے (Made in U.S.A) ہیں؟ جس کمپنی نے بھی آج تک پیچیدہ سے پیچیدہ مشینری بنائی ہے وہ سب آپ ہی کی توکل ہیں اور اللہ نے آپ کی مشینری یعنی انسانی مشینری اس قدر کمپلیکیٹڈ (Complicated) بنائی ہے کہ ساری مشینیں انسان میں فٹ ہیں..... ٹیپ ریکارڈر بھی آپ میں فٹ (Fit) کر دیا، کمرہ بھی آپ میں فٹ (Fit) کر دیا، کمپیوٹر بھی آپ میں فٹ (Fit) اور مزے کی بات کہ کثرت بھی آپ کے اندر ہی رکھ دیا ہے..... تو جس نے یہ اصلی اور معیاری مشینری بنائی ہے، یاد وہ اتنا ہی غافل ہو گیا کہ اس نے اسے چلانے کے لئے کوئی کتاب ہی نہیں بھیجی..... جس کمپنی نے آپ کی مشینری بنائی ہے اس کا نام اللہ ہے ایجاد کردہ مشینری کا نام انسان ہے اور بک لیٹ (Booklet) کا نام قرآن ہے۔ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

یہ قرآن کیا ہے؟ انسانی مشینری کی بک لیٹ (Booklet) ہی تو ہے اور میں تو دیکھتا ہوں کہ ہمارے نوجوان تو سنتے ہی تنقیدی نقطہ نگاہ سے ہیں اور میرے جیسے بیچارے غریب مسکین پڑھنے والے ہوتے ہیں میں جب اسٹیج (Stage) سے اترتا ہوں تو سوال ہی سوال ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آج بھی کوئی پوچھ لے کہ جناب! بک لیٹ (Booklet) تو اللہ نے زبور بھی بھیجی تھی، انجیل بھی، الوہی بک لیٹ (Booklet) تھی اور تورات بھی تو

خدائی "Booklet" ہی تھی تو اتنی "Booklets" بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟..... تو بھائی اس کا سیدھا سادا جواب ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ مجھے "Latest" مشینری چاہئے۔ آپ نے کہا 'حاضر ہے' چاہے کار ہو یا ٹریکٹر فیکٹری چاہئے تو وہ بھی حاضر ہے اور ساتھ "Booklet" بھی پیش کیا۔ اس نے کہا 'نہیں مجھے "Booklet" نہیں چاہئے' "Booklet" تو میرے پاس ۱۹۵۰ء کی موجود ہے۔ تو ہر باشعور شخص یہ کہے گا کہ جناب آپ کو کیا ہو گیا ہے جب ماڈل چنج (Change) ہوتا ہے تو "Booklet" بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ (نعرہ حیدری)

تو جہے صاحبان!

میں اتنا بڑا عالم ہوں نہ اتنا بڑا ڈاکٹر! میں تو سیدھا سا وہ آدمی ہوں اور میری کوشش فقط یہی ہوتی ہے کہ سیدھی سا وہی باتیں سوچتا ہوں اور وہ بچوں تک پہنچا دیتا ہوں اور بزرگ تو ہوتے ہی سمجھے سمجھائے ہیں..... اب آپ کیا ہیں؟ یقیناً آپ سبھی چلتی پھرتی مشینریاں ہیں۔ مرض کرو کہ آپ ایک کار خریدتے ہیں اور خرید کر ایک ڈرائیور سے کہتے ہیں کہ بھائی ڈرائیور صاحب! میں نے یہ کار خریدی ہے، میں اس کا مالک ہوں، تمہیں ڈرائیور رکھنا چاہتا ہوں کہ تم اس کار کو چلاؤ۔ اب اگر ڈرائیور کہے کہ صاحب میں کسی بات کی پابندی نہیں کروں گا، کیونکہ میں تو آزاد پیدا ہوا ہوں۔ لیکن اگر وہ چند لمبے اشاروں کی پابندی نہ کرے تو اس کی آزادی اسے اور آپ کو خدا نخواستہ قبرستان پہنچا دے گی یا پھر کم از کم آپ ہاسپٹل (Hospital) پہنچ جائیں گے، وہ بھیانک ایکسیڈنٹ ہو گا کہ آپ کہیں کے بھی نہیں رہیں گے..... تو معاف کیجئے گا! خداوند عالم نے یہ جو چلتی پھرتی مشینریاں بنائی ہیں۔ مالک وہ ہے لیکن حوالے آپ کے کردی ہیں جیسے ایک کار کسی ڈرائیور کے پاس ہے۔ اگر وہ اسے تیز چلائے گا تو تیز چلے گی اور آہستہ چلائے گا تو آہستہ چلے گی، کچھ میں چلائے گا تو بھی چلے گی اگرچہ پیسے سلف (Slip) کریں گے، ریگستان میں چلائے گا تو جھکے دے دے کر چلے

گی۔ اب یہ چلانے والے پر موقوف ہے اور وہی مالک ہے۔ آپ اسے بار بار کہتے ہیں میاں ٹریک کی خلاف ورزی نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ میری مشینری کسی حادثے کا شکار ہو جائے اور اللہ نے جو آپ کی پیچیدہ مشینری بنائی ہے اور یہ مشینری آپ کے حوالے کر دی ہے اور تاکید بھی کر دی ہے کہ اسے خیال سے چلانا، خلاف ورزی نہ کرنا..... اللہ رب العزت نے تو حلال و حرام کے سنگٹل لگا دیئے ہیں۔ (نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ توحید)

سایمیں!

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اصول دین بیان کریں تو مجلس خشک ہو جاتی ہے۔ لہذا فروغ دین کی پرواہ ہی نہیں کرتے نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ اس لئے کہ مجمع یہ سنتا ہی نہیں..... میں کہتا ہوں اگر نیاز بیگ کا مجمع سنتا ہے تو دنیا کا ہر مجمع سنے گا۔ (توجہ ہے یا نہیں.....!) اللہ آپ کو سلامت رکھے، مجھے تو ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا جو نیاز بیگ کے بارے میں سنا کرتا تھا..... ارے بھائی! مشینری آپ کے پاس ہے نا! آپ ڈرائیور سے کہتے ہیں کہ یہ گاڑی میری ہے، تم اسے ٹیکسی چلاؤ مگر صبح میرے گھر لے آنا، میں ذرا اس کو دیکھ لوں گا کہ اس کا پانی، اس کا پٹرول، اس کا موئل آئل ٹھیک ہے یا نہیں..... اور دوپہر کو جب کھانا دانا کھانے لگتا تو پھر لے آنا، تاکہ میں دیکھ لوں کہ تم نے اس پر کوئی داغ داغ (Dent) تو نہیں لگا دیئے اور سونے سے پہلے بھی چیک کروا جایا کرنا۔ دن میں پانچ دفعہ میں اس گاڑی اور مشینری کو چیک کروں گا..... یہی اللہ نے کہا ہے کہ میں نے تمہیں مشینری دی ہے تم اسے چلاؤ مگر میرے گھر آ کر مجھے پانچ وقت چیک کروا جانا، اسی کو نماز کہتے ہیں..... یہ نماز کوئی الگ شے نہیں ہے، یہ تو آپ کی مشینری کا عطا کرنے والا اسے چیک (Check) کرتا ہے کہ تم نے اس کی سروس ورس کرائی ہے یا نہیں..... اس سروس کو دین کی زبان میں وضو کہتے ہیں۔ (سمجھ میں آئی یا نہیں میری بات!.....)

خرچ کر ڈ لیکن آخر تمہارے پاس جو مشینری ہے میں اس کا مالک ہوں اس لئے تھوڑا سا حصہ مالک کا بھی نکالتے رہو۔ اسی کو خس اور زکوٰۃ کہتے ہیں۔ (میری بات پہ غور ہے یا نہیں ہے صاحبان!)

دوستو!

یہی ہیں فروغ دین! عجیب اور نامانوس شے کوئی بھی نہیں ہے ان میں..... اب آپ اپنی مشینری (گاڑی) کا جو ڈرائیور رکھتے ہیں اسے بار بار سمجھاتے ہیں کہ دیکھو میاں! جگہ جگہ بیریز لگے ہوئے ہیں چیک پوشیں بھی ہیں اس لئے ڈکی میں کوئی ناجائز اور غیر قانونی مال ہرگز نہ رکھنا اور گاڑی کے اندر سوار یوں کو بھی دیکھ بھال کے بعد بٹھانا، ایسے ہو کہ کسی چور ڈاکو کو بٹھا لو اور نقصان اٹھاؤ یا پھر اپنی بے احتیاطی کے سبب کسی چیک پوش پر گاڑی ضبط کرا لو اور خود بھی اندر ہو جاؤ۔ یہی اللہ کہتا ہے کہ دیکھو حضرت انسان! میں نے تمہیں بہترین مشینری عطا کی ہے، تمہیں احسن المخلوقات بنایا ہے اب تم اس کو حرام اور ناجائز طریقوں سے مت استعمال کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں پانی کی جگہ شراب ڈال دو اور ہیروئن اور اس قسم کی چیزیں نہ بھر دو اور مال، مشینری اور لائسنس تک ضبط کروا بیٹھو.....

بھئی! یہی اللہ نے کہا ہے کہ میرے حبیب! ان لوگوں کو سمجھا دو کہ ان علاقوں میں جانے سے پرہیز کریں کہ جہاں متعدی امراض پھیلتی ہیں اور ایسا بھی نہ ہو کہ کل دنیا کے بیمار اس میں بٹھا لو۔ تمہیں چاہئے کہ جو لوگ اندر بٹھاؤ وہ بھی صحت مند اور صالح ہوں۔

اب رسولؐ نے کہا، بھئی! میں نے تمہاری مشینریوں کا ۲۳ سال تک جائزہ لیا ہے ماشاء اللہ تم سے بت پرستی اور جہالت کے جرائم ختم ہو گئے، لیکن بعض مشینریاں میں اب بھی ایسی دیکھ رہا ہوں جن کے اندر بیماری کے جرائم بدستور موجود ہیں اور تمہیں محسوس تک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جرائم چوٹی کی چال چل رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ان کے یہ جرائم بھی ختم ہو جائیں لہذا لاؤ قلم دوات کہ میں تمہیں نسخہ لکھ دوں، ایسا نسخہ جو تمہارے لئے اکسیر ہو

سامعین محترم!

اسلام شاہراہ حیات پر پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں سے روزمرہ کی باتیں دیکھنے اور نتیجے نکالتے جائے کسی علیحدہ فلسفہ وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے یہ فطری تقاضوں کے مکمل طور پر ہم آہنگ چلتا ہے۔

اب اس کے بعد آپ پھر ڈرائیور سے کہتے ہیں اچھا بھائی! سارا سال اس گاڑی کو چلاؤ لیکن سال میں ایک دفعہ اس کی اوور ہالنگ بھی ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو پوسٹن وشن سبھی کچھ جام ہو جائے۔ اسی طرح اللہ نے کہا ہے کہ سارا سال میری دی ہوئی مشینری چلاؤ، لیکن سال میں ایک دفعہ اوور ہالنگ بہت ضروری ہے اور یہ ماہ رمضان میں ہوگی، جسے روزوں کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔

توجہ چاہتا ہوں صاحبان!

اس کے بعد آپ ڈرائیور سے کہتے ہیں اچھا بھائی! میری گاڑیاں ہر جگہ اور شہر میں چل رہی ہیں۔ لاہور میں تو ابھی تھوڑی ہیں لیکن کراچی میں اس سے بھی زیادہ ہیں کونڈ میں بھی چل رہی ہیں پشاور میں بھی چل رہی ہیں۔ میں ہر سال ان گاڑیوں کی ایک ریلی منعقد کرواتا ہوں اور سبھی کو ایک جگہ اکٹھا کرتا ہوں تاکہ تم ایک دوسرے کو دیکھو، میل ملاقات کرو اور چیک کر دو کہ کس نے گاڑی کو کیسے رکھا ہوا ہے..... اسی طرح اللہ نے بھی کہا کہ میں سال میں ایک دفعہ ریلی منعقد کرواتا ہوں کہ تم سب اپنی اپنی مشینریاں لے کر میرے گھر آ جاؤ تاکہ تمہارا آپس میں تعارف بھی ہو جائے اور ایک دوسرے کی مشینری دیکھ دکھا بھی لو کہ کس نے کیسے سنبھال کر رکھی ہوئی اور کون نقصان کر رہا ہے اسی کو حج کہتے ہیں۔

اب مالک کہتا ہے اچھا میاں! کماؤ کھاؤ، گاڑی سے بچوں کی روزی کماؤ اور خود بھی کھاؤ، کپڑے دپڑے بھی لو، میں تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالتا، بڑی خوشی سے دل کھول کر

اور جیسے استعمال کر کے تم ہر قسم کی روحانی متعدی امراض سے نجات پاؤ۔ لیکن افسوس کہ انسانی مشینری کے ڈرائیوروں نے یہ نسخہ لکھوانے سے انکار کر دیا کہ سرکار نسخہ دیکھو لکھوا کر کیا کرتا ہے ہم نے..... سرکار نے فرمایا، چلو اگر تم نسخہ نہیں لکھواتے تو تمہاری مرضی میں نے چاہا تھا کہ تمہیں تفصیل سے نسخہ لکھ دوں تاکہ تمہاری سبھی بیماریاں ختم ہوں، لیکن تم نہیں لکھواتے تو زبانی ہی سنائے دیتا ہوں، اس پر عمل کر لینا۔

سامعین!

لوگوں نے کہا، سرکار وہ کیا دوائیں ہیں جو ہمارے جراثیموں اور متعدی امراض کو ختم کر دیں گی؟ رسولؐ نے فرمایا، دو دوائیں تجویز کرتا ہوں، ایک کا نام قرآن ہے، دوسری کا نام عترت ہے..... اور بالکل اسی طرح جن طرح حکیم اپنے نسخے میں لکھتا ہے کہ عتابِ ولایتی یعنی عام عتاب نہیں اور شکرِ رومی یعنی عام شکر نہیں بلکہ روم کی شکر۔ بالکل اسی طرح کتاب بھی عام نہیں بلکہ کتاب اللہ، اللہ کی کتاب اور عترت بھی عام نہیں عترتِ رسولؐ، یعنی میری عترت.....

پھر رسولؐ نے فرمایا، اگر تم ترکیب استعمال بھی لکھواتا چاہتے ہو تو میں تفصیل اور تسلی سے لکھ دیتا، لیکن اگر تم نہیں لکھواتا چاہتے تو چلو زبانی ہی سن لو۔ جب بیماری زور پکڑ جائے اور دوا تیار کرنے کا موقع آئے تو سنو! میں تولے (پارے) قرآن لے لینا بارہ چودہ تولے (افراد) عترت لے لینا اور ان کو محبت کی دلچسپی یعنی اپنے دل میں ڈال کر مودت کی ہلکی ہلکی آٹھ ویٹے رہنا، عملِ صالح کے پیچھے سے ہلاتے رہنا اور جب قوام تیار ہو جائے تو دستِ خلوص سے اتار کر تولی کے گلاس میں تیرہ کے رومال سے چھان کر اٹھیل لینا..... اور دن میں پانچ مرتبہ سترہ سترہ گھونٹ پی لیا کرنا، کوئی بیماری نزدیک آ جائے مجھے محمدؐ نہ کہنا..... (نعرہ حیدری)

میرے محترم سامعین!

(توجہ ہے یا نہیں!..... اللہ آپ کو سلامت رکھے!) اب اگر کوئی بہت بڑا کاریگر اس مشینری کی دیکھ بھال کے لئے آ جائے تو..... یعنی جس کمپنی کی مشینری بنی ہوئی ہے وہی اپنا چیف انجینئر بھیج دے کہ یہ تمہاری مشینری چیک اپ کرے گا، اس سے چیک اپ کرواتے رہنا اور جہاں جہاں سے "Booklet" تمہاری سمجھ میں نہ آئے وہ بھی اسی سے سمجھ لینا اور اگر تم "Booklet" کی عبارت کو خود بھی سمجھ لو تو پھر جہاں اشارے وغیرہ شروع ہوتے ہیں "Symbol" اور "Signs" میں بات ہوتی ہے وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے، مثلاً ایک چھوٹی سی لکیر اس پر ایک میز سی لکیر پھر آگے گول دائرہ کسی پہاڑے (A) لکھا ہے کسی پہاڑی (B)، کہیں مائنس ("-" Minus)، کہیں پلس ("+" Plus)، وہ تمہیں چیف انجینئر کے علاوہ کون سمجھا سکتا ہے؟ اگر کسی لوکل (Local) انجینئر سے سمجھو گے تو وہ بیچارہ تو محض زنجیریں بناتا ہے یا زیادہ سے زیادہ درانتی اور کلبھاڑی بنا سکتا ہے۔ اگر تم اس سے "Booklet" کو سمجھتے جاؤ گے تو وہ بیچارہ تو خود بھی نہیں سمجھ پائے گا، تمہیں بھلا کیسے سمجھائے گا؟

معلوم ہوا سمجھانے والا وہی ہونا چاہئے جو وہاں سے پڑھ کر آیا ہو جہاں کی مشینری ہو..... بھئی یاد رکھئے! انسانی مشینری کے اس چیف انجینئر کو رسولؐ کہتے ہیں..... (آپ ناراض تو نہیں ہو رہے؟ میں ذرا آج جدید نسل کے لئے جدید طرز پر اصول و فروع دین بیان کر رہا ہوں۔ توجہ چاہتا ہوں عزیزو!.....) اب جو اچھا انجینئر ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایک جگہ تھوڑے رہتا ہے وہ تو کہتا ہے بھئی! میری فرم (Firm) کوئی لوکل فرم (Firm) نہیں ہے، میری فرم تو انٹرنیشنل (International) ہے۔ میرا مال تو افریقہ بھی جا رہا ہے، یورپ بھی جا رہا ہے، چین بھی جا رہا ہے، ایران بھی جا رہا ہے۔ اب میں بھی دوسری "Country" میں جا رہا ہوں، مجھے وہاں پر بھی مشینری کو چیک اپ کرنا ہے..... اب جو چیف انجینئر اللہ بناتا

ہے وہ بھی یہی کہتا ہے کہ دیکھو بھئی! میں ایک جگہ ہی رہنے کے لئے نہیں آیا، میں کسی لوکل فرم کا نمائندہ تھوڑا ہی ہوں:

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین.....

”مجھے تو عالمین کے لئے بھیجا گیا ہے۔“

لو اب میں جا رہا ہوں، تو مشینری والے فوراً پوچھتے ہیں، سرکار آپ تو جا رہے ہیں، آپ کے بعد یہ مشینری کون چلائے گا؟ کون ہماری اصلاح کرے گا؟

نیاز لیگ کے شیعہ سنی بھائیو!

اگر آپ یہ دکھادیں کہ چیف انجینئر کہے کہ کارخانے میں مزدور تو کام کر ہی رہے ہیں، یونین (Unions) بھی بن چکی ہیں، تو اب تمہیں کیا ضرورت ہے میرے بعد کسی جانفشیں کو تلاش کرنے کی؟ کارخانے کے مزدوروں کو اکٹھا کر کے دو ٹنگ کروالینا جس کے حق میں ووٹ زیادہ ہوں، اسے میری جگہ پر بٹھا دیا، میری جگہ چیف انجینئر بنا دینا..... دکھاؤ مجھے یہ میں بہارے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔

نہیں ہرگز نہیں، کہیں گے لوگ کہ ہم اس طرح کرنے کو تیار ہیں بلکہ وہ تو نہیں کہیں گے کہ سرکار ہم نے اس طرح کر کے کارخانے کا بیڑہ غرق کر دانا ہے۔ دو ٹنگ سے کارخانے تھوڑا ہی چلتے ہیں، یہ تو بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، مشینری کا کام ہے، ٹیکنیکل علم ہے، دو ٹنگ سے تو معاملہ حل ہونے کا نہیں..... لہذا یاد رکھئے کہ ہر کارخانے کا انجینئر جہاں سے آتا ہے وہاں جاتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ فکر نہ کرو، میری لیاقت کا تقاضا ہے کہ میں اپنا تربیت یافتہ نائب چھوڑے جا رہا ہوں، جو بالکل وہی علم رکھتا ہے جو میں لے کر آیا ہوں اور پھر چیف انجینئر یہ بھی کہتا ہے کہ میں کائنات کا چیف انجینئر ہوں، میں چھپ کر یہ اعلان نیابت نہیں کروں گا، کسی کمرے میں بیٹھ کر اپنا نائب نہیں بناؤں گا، مجھے کوئی کسی کا ڈر ہے یا میں نے کسی نااہل کو اپنا نائب تھوڑا بنا دینا ہے، میں تو کھلے میدان میں کہنی کے سارے مزدوروں کو اکٹھا

کر کے خود بلند مقام پر کھڑا ہو کر اپنے نائب کا ہاتھ تھام کر اعلان کروں گا: من کنت مولاه فهذا علی مولاه..... (نعرہ حیدری)

سائیں!

(اب میں کیا کروں، ظاہر ہے میں تو نثری ذاکر ہوں درنہ ”میں لکھ لکھ واری ول ول آکھاں!“) تو میں گزارش کر رہا تھا کہ اس نے کہا کہ میں چھپ کر تھوڑا ہی بناؤں گا اپنا نائب! میں کھلے میدان میں اسلامی ٹیکسٹری کے سبھی کے سبھی مزدوروں کو اکٹھا کر کے خود اونچے مقام پر کھڑا ہو کر ہاتھوں کو بلند کر کے اعلان نیابت کروں گا کہ من کنت مولاه فهذا علی مولاه.....

سامعین!

دیکھئے! اس شے کا نام ہے اصول دین..... یہ نماز، یہ روزہ، یہ حج، یہ زکوٰۃ، سبھی فروع دین ہیں، جبکہ توحید، نبوت، امامت، قیامت کہلاتے ہیں اصول دین..... (توجہ ہے یا نہیں میرے صاحبان!) اور مزے کی بات یہ ہے کہ اصول دین عقیدے کا نام ہے، جبکہ فروع دین عمل کا نام ہے اور قبر میں سب سے پہلے اصول دین پوچھے جائیں گے۔ پہلے عقائد کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ دو پیشیاں ہیں نا! پہلی پیشی ہے قبر کی دوسری پیشی ہے حشر کی..... پہلی پیشی میں عقائد پوچھے جائیں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ اب آپ نے کہا، میرا رب لاج، منات، عزی، کرشن، اوم، بھگوان ہے، تو فرشتے لکھ دیں گے:

هذا مشرک

”یہ مشرک ہے۔“

تاکہ قیامت کے دن پھر پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ (بڑی توجہ!) پھر پوچھا جائے گا، تمہارا نبی کون ہے؟ اب اگر اوٹ پٹانگ نبی بتائے گئے جو یہ نہیں بنائے گئے ہوں تو لکھنے

والے لکھ دیں گے:

هذا كافر

”یہ کافر ہے۔“

پھر پوچھنے والا پوچھے گا:

من امامك

”تیرا امام کون ہے؟“

اب بھی اگر اوٹ بنا لگ نام لئے تو لکھ دیا جائے گا:

هذا منافق

”یہ منافق ہے۔“

اب اگر کسی مومن سے یہ جملہ پوچھا گیا تو مومن مسکرائے گا۔ فرشتے کہیں گے:

”ہم تم سے تمہارا امام پوچھ رہے ہیں اور تم مسکرائے جا رہے ہو۔ کیا

نہیں جانتے ہو؟“

تو مومن گرج کر کہے گا:

”تم اندھے ہو جو میرے سر ہانے کھڑا ہے تمہیں نظر نہیں آ رہا!“

(نعرۂ حیدری)

توجہ ہے میرے محترم سامعین!

اس پہلی پیشی پر اصول دین پوچھے جائیں گے اور فروغ دین پوچھے جائیں گے آخری پیشی پر! کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کو معصومین نے واضح نہ کیا ہو۔ یہ توفیق جعفریہ ہی بتا سکتی ہے کہ فروغ دین آخر میں کیوں پوچھے جاتے ہیں اصول دین کیوں نہیں پوچھے جاتے قیامت میں؟ بلکہ اصول دین قبر میں اور فروغ دین قیامت میں! کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہمارے اصول دین میں توحید کے ساتھ عدالت بھی ہے۔ دوسروں کے اصول دین میں

ہیں توحید، نبوت، قیامت۔ ہمارے اصول دین پانچ ہیں توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت..... (اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا وقت لے لوں آپ کا! ورنہ یہ گفتگو تشنہ رہ جائے گی)

ہمارے ہاں اصول دین پانچ ہیں باقی دنیا کے نزدیک تین! جبکہ جاتا ہے قیامت تک۔ اب قیامت کے دن اللہ فروغ دین کیوں پوچھے گا؟ کیونکہ اس کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اصول دین ریپیر ایبل (Repairable) نہیں ہیں۔ (اس بات کو اچھی طرح سمجھیں آپ.....) اصول دین میں اگر کمی رہ جائے تو اس کی "Repairing" نہیں ہے جبکہ اصول دین ریپیر ایبل (Repairable) ہیں۔ یہ "Repairable" اس لئے ہیں کہ اگر کوئی مرجائے اور اس کی نمازیں رہ جائیں تو بڑے بیٹے کا فرض بنتا ہے کہ خود پڑھے یا اجارے پر پڑھوائے اور اس کی کو پورا کر دے۔ اللہ نے کہا قیامت تک کی مہلت دیتا ہوں کیونکہ میں رحمن درحیم ہوں اور عادل بھی ہوں..... شاید تم کمی کو پورا کر دو! روزہ رہ گیا تو خود روزے رکھو یا پھر اجارے پر رکھو اور مرنے والے کی کمی کو پورا کر دو۔ اگر خنس زکوٰۃ اور حج رہ گئے ہیں تو کسی کو نائب بنا کر بھیج دو، قوم کی ادائیگی کر دو تو کمی پوری ہو جائے گی۔ جو مرنے والے کے ذمے ہے وہ ادا کر دو تو قیامت تک فروغ دین کی ریپیرنگ (Repairing) ممکن ہے۔ اس لئے اللہ نے کہا کہ قیامت تک تمہیں ازالے "Repairing" کی مہلت دیتا ہوں۔ تم اس کمی کو پورا کر آؤ تو پھر جاؤ جنت میں جنت تمہاری منتظر ہے لیکن اصول دین کی کمی ہرگز پوری نہیں ہو سکتی یعنی اگر کوئی توحید، نبوت یا امام برحق کی امامت میں شک لے کر مر گیا تو پھر چاہے سارا خزانہ لٹا دیا جائے یہ کمی پوری نہیں ہوگی۔ لہذا اس عادل بادشاہ نے کہا کہ پہلی پیشی پر اصول پوچھوں گا دوسری پر فروغ پوچھوں گا۔

عزیزانِ گرامی!

اب بات مرنے کی ہو رہی ہے تو میں کہیں اصول دین پانچ دیکھتا ہوں اور کہیں

تین تو میں سوچ میں پڑتا ہوں کہ یہ یا تو پانچ ہوں گے یا تین! اگر پانچ ہیں تو کسی نے گھٹا کر تین کر دیئے اور خدا نخواستہ تین ہیں تو کسی نے بڑھا کر پانچ کر دیئے۔ چنانچہ اگر کسی نے گھٹائے ہیں تو گھٹانے والے کو گھٹانے کا طریقہ آتا ہے اور اگر کسی نے بڑھائے ہیں تو بڑھانے والے کو بڑھانے کا سلیقہ آتا ہے۔ کیونکہ جس نے گھٹائے ہیں تو نہ اول سے گھٹائے ہیں نہ آخر سے بلکہ درمیان سے ایک ایک پوائنٹ نکال دیا ہے۔ توحید اور نبوت کے درمیان سے عدالت نکال دی اور قیامت و نبوت کے درمیان سے امامت نکال دی۔ اب جن کے ہاں یہ پانچ ہیں ان کا کہنا ہے کہ چونکہ ہمیں قیامت تک جانا ہے اس لئے توحید سے نبوت تک دایا (Via) عدالت پہنچیں گے اور قیامت تک دایا (Via) امامت پہنچیں گے اور اگر نہ عدالت ہوئی نہ قیامت تو قیامت کا کوئی دایا (Via) ہی نہیں ہے بلکہ "Jump" لگا کر جانا پڑے گا۔ توحید سے "Jump" لگایا اور نبوت تک آگئے نبوت سے "Jump" لگایا اور قیامت تک چلے گئے۔ مگر راستے میں پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اللہ نے "Booklet" دی تھی اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال دینا ہے کہ نبوت سے قیامت تک جاؤ گے تو کہیں کے نہیں رہو گے۔ قرآن اعلان کر کر کے کہہ رہا ہے:

یوم ندعوا

قیامت کے دن نبوت کے ساتھ نہیں امامت کے ساتھ پوچھا جائے گا۔ امامت کے ساتھ بلایا جائے گا کہ کس امام کی قیادت میں یہاں تک آئے ہو؟

توجہ ہے صاحبان!

میرے محترم سامعین! دو "Points" ہیں نبوت سے قیامت تک جانا ہے اور امامت درمیان سے غائب ہے تو بتائیے کیسے جائیں گے یہ لوگ؟  
مجھے کسی مولوی نے کہا کہ ہم سیدھے ہی چلیں گے۔ میں نے کہا سیدھے کس طرح چلے جاؤ گے؟ نماز میں یہ نہیں پڑھتے ہو:

اهدنا الصراط المستقیم

تم یہ کیوں نہیں کہہ دیتے:

اهدنا الصراط

یہ مستقیم کیوں بولتے ہو؟ کیا ہے یہ مستقیم؟ علماء فرماتے ہیں اللہ نے راستہ تو دکھا دیا مگر ایک راستے سے ۷۲ راستے ہو گئے ۷۳ راستے ہو گئے۔ اب ۷۳ راستوں پر ہم کیسے چل سکتے ہیں؟ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ کوئی ایسا راستہ ہو جو مستقیم ہو۔

(بھئی! پڑھے لکھوں سے توجہ کا طالب ہوں پھر میں اپنا بیان یہیں سینٹا ہوں۔ بھر پور توجہ چاہوں گا آپ کی) صراط ایسا ہو کہ جو مستقیم ہو جو نبوت سے چلے تو قیامت تک پہنچا دے۔ تو مستقیم کی تعریف کیا؟ مستقیم کہتے کسے ہیں؟ جیومیٹری کی اصطلاح میں سیدھی لائن (Straight Line) کا نام ہے مستقیم..... (نعرہ حیدری)

(توجہ کیجئے گا!) "Straight Line" کو عربی میں مستقیم کہتے ہیں اور مستقیم کو جیومیٹری کی زبان میں "Straight Line" کہتے ہیں۔ اب اس "Straight Line" کی تعریف کیا ہے؟ (توجہ ہے صاحبان!) یہاں ٹیچر بھی بیٹھے ہوں گے پروفیسر بھی ہوں گے وکلاء بھی بیٹھے ہوں گے پڑھے لکھے حضرات بھی بیٹھے ہوں گے.....

میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ جیومیٹری میں "Straight Line" کی تعریف کیا ہے؟ سٹریٹ لائن (Straight Line) کی تعریف یہ ہے کہ وہ لائن جو دو نقاط کو کم سے کم فاصلے سے آپس میں ملا دے۔ یہاں اگر تختہ سیاہ ہوتا تو میں آپ کو سمجھاتا لکھ کر سمجھا دیتا۔ بھئی! دو پوائنٹ ہیں نا! دنیا د آخرت۔ دنیا سے جاتا ہے آخرت تک مستقیم سٹریٹ لائن ہے۔ سٹریٹ لائن اسے کہتے ہیں جو دو نقطوں کو ملا دے اور آپس میں کم سے کم فاصلے پر اگر لائن ٹیڑھی ہوگی تو مستقیم نہیں فاصلہ زیادہ آ گیا تو "Straight"۔ اب کیسے ملائیں گے؟ میں نے ایک بزرگ سے عرض کیا یہ کاغذ ہے یہ قلم ہے مہربانی فرما کر اس کاغذ پر "Straight" لائن لگا دیں۔ یہ دو "Points" لگائے دیتا ہوں۔ وہ پچھارہ بزرگ آدمی

ریٹائرڈ ہو چکا تھا حالانکہ جیومیٹری ہی کا ٹیچر اور پروفیسر رہ چکا تھا چنانچہ اس نے موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائی اور تیز بلب کی روشنی میں اس نے "Free Hand" کھینچنا شروع کیا اور کھینچتے کھینچتے جب "Point" کے قریب آیا تو ہاتھ کانپ گئے اور لائن ٹیزھی ہو گئی۔ اب اس نے ریڑا اٹھایا اس لائن کو مٹایا اور پھر بڑی احتیاط سے لائن کھینچی۔ بوڑھا آدمی تھا کھانسی آئی ہاتھ کانپے اور پھر لائن ٹیزھی ہو گئی پھر اس نے ریڑا کا استعمال کیا۔ پھر بڑی مشکل سے اس نے تیسری بار "Free Hand" کھینچنا شروع کیا، لیکن پھر اچانک ہاتھ کانپے اور لائن ٹیزھی ہو گئی۔ وہ ساری رات لائن کھینچتا رہا، وہ بزرگ اور لائن ہر بار ٹیزھی ہوتی رہی "Straight Line" نہ بنی۔ اتنے میں ایک بچہ تازہ تازہ جیومیٹری کا امتحان دہا رہا تھا وہ چیخ کر بولا جناب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں "Straight Line" بنا دوں۔ اب اس نے عینک اٹھا کر دیکھا کہ میں بزرگ تو بنا نہیں سکا تو یہ کل کا بچہ کیسے بنائے

بجٹی!

(اللہ آپ کو سلامت رکھے اب اس سے زیادہ واضح بات میں نہیں کر سکتا..... نعرہ حیدری)

بزرگ نے کہا ارے تو بچہ ہو کر کیسے بنائے گا؟ بچے نے جواب دیا آپ سے قیامت تک "Straight Line" نہیں بن سکتی جب تک آپ کے ہاتھ میں پیانہ نہیں ہو گا۔ آپ "Free Hand" بنا رہے ہیں میں پیانے کے وسیلے سے بناؤں گا تم ہو ویلے کے منکر اور جب تک پیانے کا وسیلہ نہیں آئے گا یہ لائن "Straight" نہیں بنے گی..... لاؤ پیانہ مجھے دے دو۔ اب جب ہم نے پیانہ اس بچے کو دے دیا تو اس نے دو نقطوں کے درمیان پیانہ رکھا اور آنکھ بند کر کے لائن کھینچ دی وہ لائن بالکل "Straight" بن گئی۔ اب بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تو جاؤ عربی کی "Dictionery" (لغت) پڑھو۔ ایسے ہے ہمارے اصول دین میں امامت..... امامت کہتے ہیں پیانے کو! (توجہ چاہتا ہوں) امامت کا

پیانہ ہمیں دنیا سے آخرت تک پہنچائے اور بالکل سیدھی لائن پر صراط مستقیم پر "Straight Line" پر۔

سامعین!

اگر آپ اب بھی بیدار نہیں ہوئے تو ابھی بیدار کرتا ہوں۔ جب امامت پیانے کا نام ہے تو یہ ہم سے مت پوچھو، ذرا کر سے مت پوچھو مولوی سے نہ پوچھو مجتہد سے نہ پوچھو جاؤ جیومیٹری کے ٹیچروں سے پوچھو کہ پیانے میں بارہ (۱۲) انچ کس نے بنائے ہیں؟ (نعرہ حیدری)

توجہ ہے یا نہیں ہے!

جائیے جیومیٹری کے مائٹروں سے پوچھئے یہ بارہ انچ کس نے بنائے ہیں۔ یہ ہم نے ہرگز نہیں بنائے اور جاؤ جیومیٹری کے مائٹروں سے پوچھو کہ ہر انچ میں پانچ پانچ لائنیں کس نے بنائی ہیں؟ اب بھی اگر اسلام سمجھ میں نہیں آیا اب بھی اگر میرے مولانا نظام سمجھ میں نہیں آیا تو قیامت تک سمجھ میں نہیں آئے گا۔

توجہ ہے دوستو!

یہ ہمارے ہاتھ میں امامت کا پیانہ ہے اس لئے ہم صراط مستقیم پر ہیں۔ ہم جو دعا کرتے ہیں:

اهدنا الصراط المستقیم

صراط مستقیم اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تو پھر صراط مستقیم سے پوچھ لو صراط مستقیم کے لفظ گن لو صراط اور آگے ال م س ت ق ی م۔ یہ آٹھ اور چار برابر ہیں بارہ کے۔ ابھی بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا!..... کہ بارہ کا رستہ صراط مستقیم ہے۔ (نعرہ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

صراطِ مستقیم بنائی تو انہوں نے اور صراطِ مستقیم بچائی بھی تو انہوں نے! یہ کر بلا کیا ہے؟ یہ صراطِ مستقیم کو بچانے کا وہ میدان ہے جس میں نواسہ رسولؐ نے کہا، اصول کو بھی بچاؤں گا اور فروع کو بھی بچاؤں گا۔

(عزیزانِ محترم! وقت نہیں ہے میرے پاس!) جس نے پہچانا ہے تو فاطمہؑ کے اس نے اس صراطِ مستقیم کے تحفظ کے لئے جو قربانیاں دی ہیں ان کو دیکھ لے..... کسی سے دیکھی چھپی نہیں ہیں یہ قربانیاں..... اگر دین کا مسئلہ نہ ہوتا، اسلام کی بقاء کا سوال نہ ہوتا تو کوئی کڑیل جوان کو میدان میں کب بھیجتا ہے اور وہ بھی تیروں و تلواریں کے سامنے! اور جوان بھی ایسا کہ جس کے لئے فاطمہؑ کے لال نے یہ کہہ کر اللہ سے دعا مانگی تھی کہ

”یا اللہ! مجھے نانا بہت یاد آتے ہیں یا اللہ! مجھے بابا علیؑ بہت یاد آتے ہیں مجھے کوئی ایسی نشانی عطا کر کہ جس سے نانا کی پیاس بھی بجھے اور بابا کی پیاس بھی۔“

اللہ نے کہا:

”حسینؑ چلو تمہیں ایک تحفہ دیتا ہوں، نام تیرے باپ کا ہوگا، شکل تیرے نانا کی ہوگی۔ نام رکھنا علی اکبرؑ، شکل میں ہوگا شبیر بن غنبرؑ!“

عزیزو! آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ جو محمدؐ کی شبیر ہو اس کے حسن کا کیا عالم ہوگا؟ خدا کی قسم! جس کے حسن پر مصر کی عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں، اس یوسفؑ اور یوسفؑ کا حسن جس پر قربان ہو جائے وہ ہیں محمدؐ اور علی اکبرؑ..... شبیر محمدؐ ہے، علی اکبرؑ..... یہی وجہ ہے کہ جب حسینؑ نے کہا کہ بیٹا دین کو بچانا ہے اور میں حکم دیتا ہوں کہ تم جاؤ میدان جنگ میں۔ شہزادے کے پاؤں بے اختیار اٹھے اور رکابوں میں چلے گئے۔ حسینؑ نے کہا، بیٹا اس طرح گئے تو کیا مزہ پہلے خیمے میں جاؤ ماں کو سلام کرنا، جاؤ پھوپھی سے ملو۔ شہزادہ خیمے کی

طرف چلا.....

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ جیسے ہی اس شہزادے نے خیمے میں قدم رکھا اور ماں کے سر پر اس جوان کی نظر پڑی تو اللہ نے جنت میں آواز دی:

”اے ہاجرہ! قربانی تو نے بھی دی تھی، لیکن دیکھ لیلیٰ کی قربانی جا

رہی ہے۔ اگر ہمت ہے تو ذرا یہ منظر بھی دیکھ!“

خدا کی قسم! جنت نے ہاجرہ کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ جب علی اکبرؑ نے ماں کو سلام کیا تو ماں نے سلام کا جواب تو دیا، لیکن بیٹے سے منہ موڑ لیا۔ اکبرؑ ادھر آیا، ماں نے رخ ادھر موڑ لیا۔ اکبرؑ نے قدموں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”اماں! مجھ سے ناراض ہیں آپ؟“

ماں نے جواب دیا:

”بیٹا! ناراض تو نہیں ہوں مگر میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں کہ تو ابھی تک

زندہ ہے اور دین پر مشکل وقت ہے۔ بیٹے! دیکھو میں نے منت ماننی ہے کہ میں جب تیرا سہرا نہیں، تیری شادی نہیں بلکہ تیری لاش دیکھوں

گی تو چار رکعت نماز شکرانہ ادا کر دوں گی۔“

اکبرؑ نے کہا:

”اماں! میں تو سلام کرنے آیا ہوں، اجازت لینے آیا ہوں آپ سے۔“

لیلیٰ نے کہا:

”اکبرؑ! اگر اجازت لینی ہے تو اس ماں کے پاس جاؤ جس نے تجھے ۱۸

سال تک پالا ہے۔“

اب جیسے ہی اکبرؑ پھوپھی کے خیمے کی طرف چلے تو بسم اللہ پڑھ کر حسینؑ بھی بہن

کے خیمے میں داخل ہوئے اور یہ کہتے ہوئے آئے کہ بہن آج میں بھی سنوں گا کہ آپ ماں

مٹے میں کہا ماتیں ہوتی ہیں۔

دیں۔“

خدا کی قسم! پھوپھی نے اکبرؑ کے بازو پر ناؤ علیٰ دم کیا، ماتھا چوما اور کہا:

”چل بیٹا میرے ساتھ دوسرے خیمے میں۔“

یہ کہہ کر پھوپھی اکبرؑ کو بہنوں کے خیمے میں لائی، کسی بہن نے ہاتھ چوما، کسی نے عبا کا دامن چوما، کسی نے ماتھا چوما، کسی نے گلا چوما، جب ساری بہنیں چوم رہی تھیں تو اچانک ایک کانپتی ہوئی آواز آئی:

”اکبرؑ بھیا! میں تیرے سینے تک نہیں پہنچ سکتی، مجھے اجازت ہے کہ میں

تیرے پاؤں چوم لوں۔“

جیسے ہی اکبرؑ نے یہ آواز سنی تو شہزادہ جھکا اور سیکینہ کو سینے سے لگایا:

”سیکینہ تو میرے پاؤں کیوں چومتی ہے؟ آ میں تیرا سر چومتا ہوں۔“

پھر جب اکبرؑ خیمے سے نکلنے لگے تو ایک ایسا منظر پیش آیا کہ حسینؑ جیسا صابر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر خیمے سے نکل گیا۔ منظر کیا نظر آیا؟ ایک کانپتی ہوئی آواز آئی:

”اکبرؑ! مجھ سے نہیں ملتا؟“

پلٹ کر دیکھا کہ بیمار بھائی کمر کو پکڑے ہوئے بستر بیمار سے اٹھ کر چلا آ رہا

تھا..... اور کہہ رہا تھا:

”اکبرؑ تیرا سفر ختم ہو گیا، میرا سفر شروع ہو رہا ہے۔ اکبرؑ نانا کو ہمارا

سلام کہنا، اکبرؑ میرے حق میں دعا کرنا۔“

عزیزو!

حسینؑ نے باہر نکل کر ہم شکل پیغمبرؐ بننے کو زین پر بیٹھا دیا اور اکبرؑ میدان جنگ کی

طرف جانے لگے تو حسینؑ نے کہا:

”اکبرؑ جاتے جاتے مڑ مڑ کر مجھے دیکھتے رہنا.....“

نیاز بیگ والو!

تھک تو چکے ہو تم، لیکن ایک فقرہ سن لو، آج ارباب درد کے لئے ایسا جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ قیامت تک دلوں میں درد بن کر رہے گا۔ جب شہزادی زینبؑ نے بھائی حسینؑ کو دیکھا اور ادھر اکبرؑ کو آتے دیکھا تو فرمایا:

”حسینؑ بھائی میں سمجھ گئی کہ اکبرؑ کیوں آ رہا ہے، لیکن مجھے اتنا بتا دے

کہ عوں، و محمدؐ کا صدقہ دے کر اس کے سر سے بلا نہیں مل سکتی؟“

اتنے میں شہزادہ علی اکبرؑ قریب پہنچ گئے۔ خدا کی قسم! شہزادے کے دل میں خیال

تھا کہ شاید پھوپھی اجازت نہ دیں، قدموں میں بیٹھ گئے اور پھوپھی کے قدم چوم کر کہا:

”پھوپھی اماں! آج میں ایک سوال کرنے آیا ہوں.....“

زینبؑ نے کہا:

”بیٹا! ساری عمر میری آرزو رہی ہے کہ تم مجھ سے سوال کرو، لیکن آج

ذرا سوچ سمجھ کر سوال کرنا، اکبرؑ میں آج پردیس میں کھڑی ہوں۔“

اکبرؑ نے کہا:

”پھوپھی اماں! آپ فکر نہ کریں، میں صرف یہ سوال پوچھتا ہوں کہ

آپ افضل ہیں یا دادی فاطمہؑ؟“

کہا بیٹا:

”میں تو تیری دادی فاطمہؑ کی کنیز ہوں۔ تیری دادی کائنات سے افضل

خاتون ہے۔“

اکبرؑ نے کہا:

”اچھا تو وہ افضل ہیں نا! تو پھر ایک بات سنیں، میں ہوں تمہارا بیٹا اور

حسینؑ ہے فاطمہؑ کا بیٹا، آج اپنے بیٹے کو فاطمہؑ کے بیٹے پر قربان کر

یہ کہہ کر حسینؑ نے اکبرؑ کو روانہ کر دیا۔

علامہ علی نقی صاحب مجتہد العصر نے لکھا ہے کہ جوں جوں اکبرؑ کا گھوڑا تیز ہوتا گیا..... تقاضائے پداری کے تحت اکبرؑ کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ حسینؑ کے قدم بھی اٹھتے چلے گئے اور جوں جوں گھوڑا تیز ہوتا گیا، حسینؑ کے قدم بھی تیز ہوتے گئے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اکبرؑ نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو کہا:

”بابا! آپ نے تو رخصت کر دیا تھا، آپ میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہیں؟“

تو مولائینؑ نے عجیب جواب دیا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

”اکبرؑ! تیرا کوئی اکبرؑ جو نہیں ہے، کاش کوئی تیرا اکبرؑ بھی ہوتا تو میں تجھ سے پوچھتا کہ تیروں اور تلواروں میں کس طرح ہم شکل بیخبر بیٹے کو بھیجا جاتا ہے؟ اچھا میرے لال! میں اس بلندی پر کھڑا ہوتا ہوں، تم مڑ مڑ کر مجھے دیکھتے رہتا۔“

یہ کہہ کر اکبرؑ کو الوداع کیا..... اکبرؑ میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ حسینؑ ٹیلے پر کھڑے، فضہؑ خیمے کے در پر تھی، اکبرؑ کی ماں خیمے کے اندر مصلے پر تھی اور ساتھ ہی پھوپھی کا مصلیٰ بچھا تھا..... اکبرؑ کی نظر شہادت پر، حسینؑ کی نظر اکبرؑ پر، فضہؑ کی نظر حسینؑ پر، ماں کی نظر فضہؑ پر، پھوپھی کی نظر اکبرؑ کی ماں پر.....

اکبرؑ گھوڑے سے گئے، حسینؑ ٹیلے پہ گئے، فضہؑ خیمے کے در پر گری، ماں سجدے میں گری، پھوپھی نے لیلیٰ کو سنبھالا۔

عزیزو!

اکبرؑ کی وہ قابل قدر بات جو کسی اور شہید میں نظر نہیں آتی، وہ غور سے سن لیجئے!  
لاہور والو! ہر شہید گھوڑے سے گر کر زخمی ہوا، تو اس نے مولائو کو بلایا کہ مولائو میری

لاش پہ آؤ، مولائو میرا سلام ہو، لیکن اکبرؑ کو ظالم نے پیچھے سے نیزہ مارا تھا اس لئے کہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ سامنے سے نیزہ مار سکتا۔ سنان ابن انس ملعون چھپا ہوا تھا..... جس طرح حمزہؑ کے قاتل نے نیزہ پھینک کر مارا تھا، اسی طرح اس ظالم نے پیچھے سے نیزہ مارا اور برجھی آگے سے نکل آئی۔ اب جب اکبرؑ گرنے لگا تو نیزہ ٹوٹ گیا، اکبرؑ نے گرتے گرتے مولائو کو مدد کے لئے نہیں بلایا، بلکہ اکبرؑ وہ پہلا شہید ہے جس نے گرتے گرتے کہا:

”بابا! میدان میں نہ آنا قاتل بہت ہیں، میدان میں نہ آنا بابا!  
نیزے بہت ہیں، میدان میں نہ آنا بابا! تلواریں بہت ہیں.....“

عزیزو!

حسینؑ ابن علیؑ میدان کی جانب چلے، اکبرؑ کے پاس پہنچے اور عجیب و غریب سوال کیا کہ اکبرؑ رکابوں سے تمہارے پاؤں کیسے نکلے؟ میں سلام کرتا ہوں اس گھوڑے کو کہ جب اس نے اپنے سوار کو لڑکھڑاتا ہوا دیکھا تو گھوڑا رکارکنے کے بعد جھکا اور اکبرؑ کو زمین پر پچا دیا، پھر حسینؑ کو آواز دی.....

میں نے مقتل میں یہ جملہ پڑھا ہے کہ جب باپ چلا تو بیٹا ایڑھیاں رگڑ رہا تھا۔ حسینؑ جب چلنے لگے تو خیمے کی طنابوں سے پاؤں الجھ گیا، فاطمہؑ کا لال گر پڑا، حسینؑ اٹھے پھر گئے، پھر اٹھے پھر گئے..... برداشت کر سکے، تو سنو! اکبرؑ تک پہنچتے پہنچتے حسینؑ ۷۲ دفعہ گئے اور پھر جب چلنے کی طاقت نہ رہی تو حسینؑ اس طرح اکبرؑ کی لاش پر پہنچے جس طرح ڈیڑھ سال کا معصوم بچہ گھنٹوں اور کہنیوں کے بل چلتا ہے.....

علامہ علی نقی صاحب نے لکھا ہے کہ جب حسینؑ مکے اور مدینے میں تھے تو داڑھی سیاہ تھی، کر بلا پہنچے تو داڑھی سیاہ تھی، خیمے اکھڑے تو داڑھی سیاہ تھی، شب عاشور آئی تو داڑھی سیاہ تھی، جب اکبرؑ کو میدان میں بھیجا تو داڑھی سیاہ تھی، جب اکبرؑ گئے تو داڑھی سیاہ تھی، لیکن جب حسینؑ اکبرؑ کی لاش پر پہنچے اور خون میں تیرتی اکبرؑ کی زلفیں دیکھیں تو حسینؑ کی داڑھی

سفید ہو گئی۔

حسین نے کہا:

اکبر! میں آ گیا، میرے لال! میں پہنچ گیا۔ اکبر! کوئی فرمائش ہے تو کر؟“

اکبر نے کہا:

”بابا! میری ماں نماز شکرانہ پڑھ رہی ہے، میں ماں سے نزل لوں؟“

حسین نے کہا:

”بیٹا! فکر نہ کر.....“

یہ کہہ کر حسین جھکے، اکبر کی گردن میں ہاتھ ڈالا، پاؤں میں ہاتھ ڈالا، یا علی کہہ کر اکبر کو اٹھایا۔ میرا نہیں نے لکھا ہے کہ اکبر کئی آئی تو حسین نے لاش کو رکھ دیا پھر اٹھایا، پھر پھکی آئی تو رکھ دیا پھر اٹھایا، پھر پھکی آئی تو رکھ دیا پھر اٹھایا، جب حسین چوتھی دفعہ اکبر کو اٹھانے لگے تو ہاتھ کاپٹنے لگے، لاش زمین پر رکھ دی، گھٹنے زمین پر رکھے، اکبر کے رخسار سے رخسار ملایا۔... سنڈی آہ بھری اور کہا:

”اکبر! میں بوڑھا ہو گیا، اکبر! میں بوڑھا ہو گیا، مجھ سے جوان کی میت

نہیں اٹھتی۔ اکبر! کچھ تو سہارا دے، کچھ میں زور لگاؤں، تو اس طرح کر

دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال۔“

اکبر نے ایک ہاتھ تو سینے ہی پہ رکھا، البتہ دوسرا ہاتھ بابا کے گلے میں ڈال دیا،

حسین نے کہا:

”بیٹا! دوسرا ہاتھ بھی ڈال۔“

اکبر نے کہا:

”بابا! میں یہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔“

حسین نے کہا:

”بیٹا! میں امام زمانہ ہو کر تجھے حکم دیتا ہوں کہ سینے سے ہاتھ ہٹا۔“

اکبر نے سینے سے ہاتھ ہٹایا، حسین کی نظر اکبر کے سینے پر پڑی، فرشتوں نے عبادتیں چھوڑیں، رسول نے روضہ اطہر چھوڑا، فاطمہ نے بھیج چھوڑا، علی نے نجف چھوڑ دیا۔ دیکھا کہ چھانچ کی برچھی آدھی اندر آدھی باہر، حسین، حسین، نہ رہا، حیدر ہو گیا، زمین پر بیٹھے برچھی کو ہاتھ ڈالا، کہا:

”نانا! دادا ابراہیم کو لے آ، تاکہ دیکھ لے میری آنکھوں پر پٹی نہیں

ہے، میں نے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے نہیں ہیں.....“

پھر برچھی ہلی، زمین کر بلا، ہلی، خیمے کے در بٹے، نبی زادوں کے سروں سے چادریں ملیں۔ حسین نے کہا:

بسم الله و بالله و على ملة رسول الله

یہ کہہ کر برچھی کا پھل کھینچا، اکبر کا جگر ساتھ چلا آیا۔ زمین کر بلا میں زلزلہ آ گیا اور جیسے ہی اکبر نے ایڑھیاں رگڑیں رسول نے فاطمہ کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا:

”فاطمہ! اب نہ دیکھنا!“

ایسے عالم میں میرا مولانا جوان کی لاش پہ بیٹھا تھا کہ ایک سوار آیا، بکھری ہوئی

زلفیں دیکھیں تو زمین پر گر گیا، قریب آ کر کہنے لگا:

ایہا الغریب.....

او پردیسی! کیا اس صحرا میں کوئی حسین بھی ہے۔

مولانا نے سر جھکا کے کہا:

”میں ہی حسین ہوں، تو کون ہے؟“

اس نے کہا:

”میں مدینے سے آ رہا ہوں، یمن کو جا رہا ہوں، میں نے راستے میں

رونے کی دردناک آواز سنی تو میں نے دیکھا کہ ایک بیمار بچی کھڑی تھی

## مجلسِ نہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین منی وانا

من حسین

حضراتِ محترم!

صلوٰۃ پڑھیں شہنشاہِ کربلا کے لئے کہ جن کے ذکر کو سننے کے لئے ساری کائنات ہمہ تن گوش ہے..... آپ حضرات نے اپنے آرام سکون اور آسائش کو یکسر فراموش کر کے مسلسل اس شہنشاہ کا تذکرہ سنا۔ خداوند عالم آپ کی محنتوں کو قبول فرمائے اور بارگاہِ سید الشہداء میں پڑھنے والوں کی پڑھائی، نیز سننے والوں کی عبادت قبول و منظور ہو..... اس شہنشاہ کے صدقے میں جو مومن بیمار ہیں، اللہ رب العزت انہیں شفا کے کاملہ عطا فرمائے اور اس قابل کرے کہ وہ مولا کا ذکر کر اور سن سکیں۔ تمام اسیروں خصوصاً جناب غلام حسن علی شاہ کو اللہ کریم بصدق محمد و آل محمد قید سے رہائی دلائے جو بے اولاد ہیں خداوند عالم ان سب کو خصوصاً جناب ملک محمد اسلم کو اولاد زینہ سے سرفراز فرمائے۔

اس نے خط مجھے دیا اور کہا کہ راستے میں اگر تمہیں سیرے پایا  
حسین ملیں تو ان سے کہنا، اکبر کی شادی میں صفریٰ کو نہ بھولنا، جب

اکبر کی شادی کرنا تو صفریٰ کو ضرور بلانا.....“

صفریٰ کا نام آیا تو اکبر کی بچگی نکلی، مدینے کی طرف رخ مڑ گیا، آواز آئی:

”صفریٰ! سیرا سلام.....“



مومنین!

ظاہر ہے کہ آج کی رات میں کسی تحصیل میں نہیں جا سکتا کیونکہ کربلا کا شہنشاہ صرف ایک رات کا مہمان ہے..... اور کل کا دن وہ قیامت کا دن ہے کہ جس دن فاطمہ زہرا کا گھرانہ ویرانہ بن گیا۔

عزیزان محترم!

مسجد نبوی صحابہ کرام سے چٹک رہی ہے آفتاب رسالت افق عصر پر چمک رہا ہے مسلمان ڈوبو ڈوبو مقداؤ جیسے مقدس صحابی پیغمبر اکرم کا خطاب سماعت فرما رہے ہیں۔ آپ کی نبی سے دھلی ہوئی زبان سے خطبہ فیض نکل رہا ہے کہ اچانک دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ وہ رسول جو وحی الہی کے بغیر بولتا ہی نہیں اور نہ ہی وحی الہی کے بغیر خاموش ہوتا ہے وہ پیغمبر خطبے دیتے دیتے رک گئے..... سلیمان قدوسی حنفی نقشبندی جو کہ مشہور عالم ہوئے ہیں ان کی مشہور کتاب ”یاتبع المودت“ میں لکھا ہے کہ سامعین یعنی صحابہ کرام نے رسول اکرم کا چہرہ مبارک دیکھا اور سوچ میں پڑ گئے۔ رسول معظم کی نگاہیں مسجد نبوی کے دروازے پر مذکور تھیں کیا دیکھتے ہیں کہ چھوٹا شہزادہ جو کبھی کبھی آغوش رسول میں مچلتا تھا کبھی دوش رسول پر بیٹھ کر ”والیل“ کی زلفوں سے کھیلتا تھا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا مسجد نبوی کے دروازے کی طرف آ رہا تھا کہ اس کا قدم مبارک عبا کے دامن سے الجھ گیا قریب تھا کہ وہ زمین پر گر جائے۔ لیکن پیغمبر اکرم ہل بھر میں برق ہاتف کی طرح منبر سے اترے صحابہ سے گزرے اور گرنے سے پہلے حسین کو آغوش میں اٹھا لیا۔ آنکھوں سے لگایا سینے سے لگایا اور چومتے ہوئے منبر پر لائے اور پھر منبر پر خطبہ نئے سرے سے یہاں سے شروع کیا:

”اے لوگو! ”ہذا حسین“ یہ میرا حسین ہے ”فاعرفوہ“ اے اچھی

طرح پہچان لو ہر طرف پہچانو ہی نہیں بلکہ ”وفضلوه“ اس کی فضیلت کا

اقرار کرو اور صرف اقرار فضیلت ہی نہیں کرو ”وانصروه“ اور زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس کی ضرورت پڑے تو تم پر واجب ہے کہ اس کی مدد کرو۔“

اور پھر فرمایا:

جدہ افضل من جد یوسف ابن یعقوب

اس کا دادا افضل ہے یوسف ابن یعقوب کے دادا سے اور

جدہ فی الجنۃ

اس کا دادا جنتی ہے

وجدلاتہ ہو فی الجنۃ

اور اس کی دادی بھی جنتی ہے۔

عمہ فی الجنۃ

اس کا چچا بھی جنتی ہے

خالہ فی الجنۃ

اس کی پھوپھی بھی جنتی ہے

ابوہ فی الجنۃ

اس کا باپ بھی جنتی ہے

امہ فی الجنۃ

اس کی ماں بھی جنتی ہے

اخوہ فی الجنۃ

اس کا بھائی بھی جنتی ہے

اختہ فی الجنۃ

اس کی بہن بھی جنتی ہے

آلہ فی الجنہ  
اس کی آل بھی جنتی ہے  
و انا جدہ فی الجنہ  
میں اس کا نانا بھی جنتی ہوں اور اس کی نانی بھی جنتی ہے  
و محبہ فی الجنہ

اس کا چاہنے والا بھی جنت ہے

و محبہ محبہ فی الجنہ

اور اس کے چاہنے والوں کا چاہنے والا بھی جنتی ہے..... (نعرہ حیدری)  
اب پیغمبرؐ نے اسے اٹھا لیا اور صحابہ کرام کو ساتھ لے کر چلنا شروع کیا۔

وقال

اور فرمایا:

حسین منی و انا من حسین

”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔“

احب اللہ ہو من احبا حسین

”اللہ اس سے محبت کرے گا جو حسین سے محبت کرے گا۔“

و بغضہ اللہ ہو من البغضا حسین

”اور جو حسین سے نفرت کرے گا اللہ اس سے نفرت کرے گا۔“

اور پھر جیسا کہ کشف المحجوب میں خلیفہ ثانی سے روایت ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس شہزادے کو اپنے کاندھوں پر بٹھایا ہوا تھا اور صحابہ سے گزر رہے تھے اور اپنی زلفیں اس کے ہاتھ میں دے کر فرما رہے تھے:

”میں آج تیری سواری ہوں اور میری زلفیں تیری سواری کی مہار

ہیں.....“

پھر خلیفہ ثانی فرماتے ہیں:  
”حسین جس طرف جانا چاہتے تھے رسول اکرمؐ کو ان کی زلفوں کے ذریعے ادھر موڑ دیتے تھے اور جہاں چاہتے تھے رسولؐ رک جاتے تھے جہاں سے پھر چاہتے تھے عالمین کا سردار چلنے لگ جاتا تھا.....!“

سامعین گرامی!

میں پوچھتا ہوں کہ یہ کس کی زلفیں حسینؑ کی معصوم مٹھیوں میں مہار بنی ہوئی تھیں؟ یہ وہی زلفیں تھیں نا! کہ اللہ جن کی قسمیں کھاتا ہے..... جس رسولؐ کے لئے نبیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ..... دیکھنا! میرے نبی پر ایمان لے آنا اور صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کی مدد بھی کرنا اور دیکھو:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

”ساری کائنات کے لئے رسول اکرمؐ کا سوہ حسنہ کافی ہے۔“

گویا جدھر میرا حبیبؐ جائے نبیوں کا فرض ہے کہ وہ بھی ادھر جائیں، آدمؑ بھی ادھر جائیں، نوحؑ بھی ادھر جائیں، ابراہیمؑ بھی ادھر مڑیں، موسیٰؑ بھی ادھر مڑیں، عیسیٰؑ بھی ادھر چلیں، یعنی تمام انبیاءؑ اس طرف چلیں جس طرف رسولؐ آخراثران چلے اور عجیب بات ہے کہ رسولؐ ادھر مڑ رہا ہے، جدھر حسینؑ مڑ رہے ہیں.....! تو گویا محمدؐ کی زلفیں صرف محمدؐ کی زلفیں نہیں ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی آبرو ہیں جو حسینؑ کی مٹھیوں میں ہیں۔

عزیزان محترم! بزرگان گرامی!

میں پوچھنا یہ چاہوں گا کہ اب بھی کسی کو حسینؑ کی عظمت سمجھ میں نہیں آئی..... بس ایک جملہ کہتا ہوں کہ حسینؑ وہ ہیں کہ جدھر چاہیں پیغمبرؐ کو موڑ لیں اور جدھر سے چاہیں روک لیں، جبکہ پیغمبرؐ کوئی عمل نہیں کرتا جب تک اللہ کی طرف سے وحی نہ ہو.....! اب بھی اگر کسی

کی سمجھ میں عظمت حسین نہ آئے تو یہ اس کی قسمت ہے۔ حسینؑ کا بچپن کا کھیل اتنا بلند مقام اور عالی شان ہے اللہ اپنی رسالتؐ کا رخ اس طرف موڑ دیتا ہے کہ جس طرف حسینؑ چاہیں۔ (نعرۂ حیدری)

اور جس کے بچپن کا کھیل یہ ہو اس کی جوانی کا عمل کیسا ہوگا؟

عزیز و بزرگو!

خداوند عالم نے قرآن مجید میں کہاں کہاں اس شہزادے کا تعارف نہیں کرایا؟

کہیں فرمایا:

انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس..... (صلوة)

اللہ نے ارادہ کر رکھا ہے کہ اہل بیتؑ کے نزدیک کسی رجس کو نہیں آنے دے گا۔ جس اہل بیتؑ سے رجس کو دور رکھا ان اہل بیتؑ میں حسینؑ ابن علیؑ کا ایک خاص مقام ہے.....

دوستو! پھر ارشاد فرمایا:

قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فى القربى

”میں تم سے اجر رسالتؐ نہیں چاہتا صرف اقرباء کی محبت چاہتا ہوں۔“

اقرباء میں حسینؑ ابن علیؑ نمایاں تر نظر آتے ہیں۔ کہیں ارشاد فرمایا:

وما تشاؤون الا ان يشاء الله

”یہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے.....“

یہ ہے آل محمدؑ کی شان کہ جو وہ چاہیں وہی اللہ چاہتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی چاہت کا اتنا پابند کیا اتنا پابند کیا کہ وہی کیا جو اس نے کہا وہی چاہا جو اس نے چاہا وہی سوچا جو اس نے سوچا یعنی اللہ اور اپنی سوچ میں بھی کچھ فرق نہیں آنے دیتے یا پھر

جب حکم الہی کی پابندی سے تعمیل کرتے ہیں تو کچھ سوچتے تک بھی نہیں ہیں اور جب آل محمدؑ نے یہ کچھ کیا تو.....!

میرے شیعہ سنی بھائیو!

اب سب مل کر بتاؤ کہ آپ کے اصول دین میں قیامت ہے کہ نہیں ہے تو قیامت کے دن اللہ انصاف کرے گا یا نہیں؟ اب تقاضائے انصاف یہی ہے کہ اگر علیؑ ابن ابی طالبؑ کھڑے ہوں تو اللہ پوچھے:

”علیؑ! آپ کیا چاہتے ہیں؟“

علیؑ کہیں گے:

”اللہ رب العزت! میں وہی چاہتا ہوں جو تو چاہتا ہے اور جس طرح

میں دنیا میں تیری چاہت کے مطابق چاہتا رہا ہوں۔“

تو اللہ کہے گا:

”نہیں علیؑ! مجھ اللہ کے عدل کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا میں تم نے وہی کیا

جو میں نے چاہا آج قیامت میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔“

اور آل محمدؑ کے عدل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ پکار اٹھیں گے کہ آج روز قیامت ہم

بھی انہی کو چاہیں گے جنہوں نے دنیا میں ہم کو چاہا تھا۔

عزیزانِ محترم!

افسوس کہ میں آج تقریر نہیں کر سکوں گا اس کی کمی آئندہ تقریر میں پوری کر دوں گا، لیکن صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ کیا مقام ہوگا، کیا وقت ہوگا، جب قیامت کے دن اللہ کلام کر رہا ہوگا اور ساری کائنات بشمول انبیاءؑ سن رہی ہوگی۔ حتیٰ کہ اس دن تو انبیاءؑ بھی نفسی نفسی کر رہے ہوں گے۔ اچانک آواز آئے گی:

”یا اہل محشر! اے قیامت والو! غصوا ابصار کم“ اپنی آنکھیں بند کر لو“ و نکسوار و سا کم“ اور اپنے سروں کو جھکا لو.....“

اور ہماری یہ مجال نہیں ہوگی کہ کہیں:

”کیوں آنکھیں بند کریں؟ کیوں سروں کو جھکائیں؟“

انبیاء پوچھیں گے:

”جبرائیل! کیا بات ہے؟“

تو جواب دے گا:

”آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کائنات کے سب سے بڑے مظلوم کی ماں آرہی ہے۔“

اور پھر یہ آواز آئے گی:

”پروردگارا! آج تیری عدالت کا دن ہے آج تو نے انصاف کرنا ہے لہذا میں تیری عدالت میں فریادی بن کر آئی ہوں۔“

اللہ فرمائے گا:

”ہاں! میرے حبیب کی بیٹی! کیا مقدمہ تیار ہے؟“

فاطمہ کہیں گی:

”یا اللہ! مقدمات تو بہت ہیں چلو ایک ہی کا فیصلہ چاہتی ہوں پہلے وہی کر دے..... میرے گھر سے ایک دن میں ۷۲ جنازے اٹھے لیکن آج تک کسی نے تسلی و تشفی نہ دی کہ رسول کی بیٹی تیرے گھر پر کیا بیت گئی.....!“

اللہ نے جواب دیا:

”ہاں! میں اس کا ضرور فیصلہ کروں گا، مگر افسوس کہ تیرا واسطہ ہمیشہ اے لوگوں سے نزا سے جو گواہ مانگتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دشمنوں کا

منہ بند کر دوں اور تیری مسل بھی مکمل کر دوں۔ اس لئے بتانا ہوگا کہ کیا تیرے ۷۲ قتلوں کا کوئی عینی گواہ موجود ہے؟“

فاطمہ آواز دے گی:

”خداوند! گواہ تو موجود ہے لیکن تو اپنی عدالت کے ذریعے اسے طلب

کر لے۔“

”کون ہے وہ؟“

جواب ملے گا:

”شام میں ہے وہ میری بیٹی۔ دسویں محرم کا دن تھا میرے ۷۲ ناحق مارے جا رہے وہ اکیلی سر پر قرآن رکھ کر فریاد کر رہی تھی، مگر کسی نے اس کی فریاد نہ سنی.....“

حکم خداوندی ہوگا:

”حوروا! جاؤ فرشتو! جاؤ شام سے اس گواہ کو نوری محل پر بٹھا کر لے آؤ۔“

اب قیامت کے دن قیامت آ جائے گی کہ جب دنیا یہ دیکھے گی کہ تھوڑی دیر بعد

حوریں بھی اور فرشتے خالی اور اکیلے آ رہے ہوں گے۔ آواز خداوندی آئے گی:

”کیوں؟ کیا ہوا؟ گواہ کو کیوں نہیں لے کر آئے؟“

جواب ملے گا:

”مولا! گواہ نے اس طرح آنے سے انکار کر دیا ہے۔ گواہ کا کہنا ہے کہ میں حاضری کے لئے تیار ہوں، مگر اس طرح نہیں آج میں بہت بڑے دربار میں پیش ہونے والی ہوں اس سے پہلے بھی دربار دیکھ چکی ہوں۔ آج قیامت کے دن نوری محل پر آنے کی بجائے دیسے ہی آنا چاہتی ہوں کہ جیسے کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں گئی تھی۔“

کیا اس طرح میرا آنا منظور ہے؟“

عزیزو!

اگر علیؑ کی بیٹی اس طرح آئی تو بے کجاہ اونٹ پر بیٹھی ہوگی، آگے آگے مہاری سید سجاد ہوں گے..... سیدہ مقدمہ ایک طرف رکھ دیں گی۔ عباس علمدار دوڑ کر قدموں پر جاگریں گے۔ روایت علمائے اعلام بیان کر رہا ہوں۔

سیدہ کہیں گی:

”عباسؑ بھائی گواہی کو ایک طرف رکھ دو پہلے ان سب کو لاؤ جو میرے بھائی کے رونے والے تھے انہیں میرے سامنے لاؤ تاکہ میں ان کا شکر یہ ادا کر سکوں۔ انہوں نے وہ کام کیا ہے جو دنیا میں ہمیں بھی کسی نے نہ کرنے دیا۔ ہم رونا چاہتے تھے لیکن کسی نے ہمیں رونے نہ دیا، ہم ماتم کرنا چاہتے تھے لیکن ہمارے ہاتھ گردنوں سے باندھ دیئے گئے..... لیکن یہ جو روتے بھی رہے اور ماتم بھی کرتے رہے میں علیؑ کی بیٹی ان کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔“

اس دن آپ کو اپنی منزلت اور حیلے کا علم ہوگا۔ یہ جو آپ دس دن تمام کام کاج چھوڑ کر حسینؑ مظلوم کی مجالس میں آ کر بیٹھے رہے ہیں یہ معمولی بات نہیں تھی۔

سامعین محترم!

اگر روز قیامت میری شہزادی نے یہ کیس دائر کر دیا کہ ”پروردگار! جنگیں ہوتی رہیں، جوان جوانوں سے نکراتے رہے ہیں، کچھ نہ بولی۔ وہ اکبرؑ کے ساتھ لڑے، عباسؑ کے ساتھ لڑے، بھائی حسینؑ کے ساتھ لڑے، میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔“

میں تو صرف اتنا پوچھتی ہوں کہ میرے اصغرؑ کا کیا قصور تھا جو ماں کو ماں بھی نہ کہہ سکا؟ اس کا کیا قصور تھا جو گہوارے میں پڑا تھا، جس کی مٹھیاں پیاس کی شدت سے بند تھیں، آنکھیں پھرائی ہوئی تھیں.....؟ کیا گزر رہی تھی اس کی ماں پر! جس کا معصوم بچہ پیاس کی شدت سے ہلکان ہو رہا تھا۔ پروردگار! میں آج حیرتِ عدالت میں اس کا انصاف چاہتی ہوں۔“

عزیزان محترم!

آپ اس وقت کا اور اس منظر کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میری شہزادی اس کا تذکرہ کس طرح کرے گی، کیونکہ یہ اتنا چھوٹا معصوم شہید ہے کہ تاریخیں اس بات کی گواہ ہیں کہ آج تک اتنے چھوٹے شہید کی قربانی کسی نے نہیں دی۔

میں ایک دن تاریخ ”تمدن عرب“ نامی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ یہ عرب کلچر پر ایک کتاب تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ عرب کیسے رہتے تھے، کیسے زندگی بسر کرتے تھے۔ کتاب میں نے پڑھا کہ ان کا نشانہ جیسا جانور ہوتا تھا دیسے ہی وہ ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ پرندوں کے لئے چھوٹے ہتھیار، چوپائوں کے لئے چھوٹی چھریاں، سب سے بڑا ہتھیار وہ اونٹ کے لئے استعمال کرتے تھے، اسے تین بھال کا تیر کہتے تھے۔ یہ تین بھال کا تیر عرب کے بڑے بڑے دلیر اونٹ کے قریب پہنچ کر اسے کھڑا کر کے اس کی گردن میں کسی پہلوان کے ذریعے چلوا کر پیوست کرتے تھے اور اسے کہتے تھے نخر ہو جانا، نخر کر دینا..... یہ پڑھنے کے بعد ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ خدا شاہد ہے میں سوچتا رہا کہ کتنا ظالم تھا وہ کلمہ پڑھنے والا کہ عرب جس ہتھیار کو سب سے بڑے جانور پر استعمال کرتے تھے، کربلا میں اس نے اس ہتھیار، حسینؑ کی سب سے چھوٹی قربانی پر استعمال کیا..... سب سے چھوٹی قربانی پر.....

اور میرا ہواں امام پکارا تھا کہ تیر کا کام ہے کہ جہاں لگے وہاں سوراخ کر دے  
مگر اس نے سوراخ نہیں کیا بلکہ..... امام فرماتے ہیں:

”میرا سلام ہو اس دودھ پیتے شہید پر جو ایک کان سے دوسرے کان  
تک شہید ہو گیا“ ذبح ہو گیا۔“

خدا جانتا ہے کہ میں نے ایک دن آپ سے عرض کیا تھا وہ دلیر حسینؑ جو اکبرؑ کی  
لاش کو خیمے میں لے گیا تھا، وہی بہادر حسینؑ جو قاسمؑ کے گلے خیاں میں لے گیا، وہ سورما  
حسینؑ جو نو نومیل سے عونؑ و محمدؑ کی لاشیں اٹھالایا تھا، اس کے لئے اصغرؑ کی لاش اتنی وزنی  
ہو گئی تھی کہ اسے خیمے میں نہ لے جاسکا اور جب خیمے کے دروازے پر ماں آئی اور خیمے کے  
دروازے سے بچے کو دیکھا اور اس کی زبان سے جو جملہ نکلا وہ یہ تھا:

”..... اصغرؑ تیرے جیسے بھی نخر ہوتے ہیں، نخر تو اونٹ کئے جاتے ہیں  
مگر مسلمانوں نے تمہیں نخر کر دیا.....“

کیوں میرے عزیزو!

اب چلتے چلتے یہ بات آگئی ہے تو میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں، ہمارے ہاں  
جھنگ میں اور ہر جگہ ہی شریف گھرانوں کا ایک "Trend" چلا آ رہا ہے، ایک رواج چلا آ  
رہا ہے کہ کسی کا دودھ پیتا بچہ مر جائے تو پھر جو عورتیں ہوتی ہیں تو وہ اندر داخل ہوتے ہی اس  
بچے کی کوئی نشانی دیکھ لیں، جیسے دودھ پینے والی بوتل، اس کی قمیض، اس کا گرتا وغیرہ، تو وہ اس  
کو اٹھا کر چھپا دیتی ہیں تاکہ ماں کو وہ نظر نہ آئے اور ماں کو بچہ یاد نہ آئے۔

میرے شیعہ سنی بھائیو!

مجھے بتاؤ کہ کوئی گیا کر بلا میں جو اصغرؑ کی ماں کو اس طرح پرچائے اور میں پوچھتا  
ہوں کہ اصغرؑ کی کیا نشانی ہو سکتی ہے؟ مگر خدا کی قسم! اس وقت پہ چلا جب اصغرؑ کی ماں شام

کی قید سے واپس پہنچی تو واپس پہنچ کر عہد کیا اور ساری عمر ٹھنڈا پانی ہی پیا نہ چھاؤں میں بیٹھی  
اور جس دن پھوٹھی جھنجھے نے دونوں بازو پکڑ کر کہا:

”اصغرؑ کی ماں! آئیے آج چھاؤں میں بیٹھیں۔“

تو کہا:

”بیٹا! اصغرؑ سے وعدہ کر کے آئی ہوں، میں چھاؤں میں کیسے بیٹھوں؟

میں نے تو اپنے بیٹے کو گرم زیت میں دفن ہوتے دیکھا ہے، میں نے

اپنے سر تاج کی لاش دھوپ میں دیکھی۔ میں عہد کر چکی ہوں کہ

چھاؤں میں نہیں بیٹھوں گی۔“

سجادؑ نے کہا:

”اماں! آج تو چلی چلیں.....“

ہمارے امامؑ کے کہنے پر باب کا رخ اچانک کر بلا کی طرف مڑ گیا، کہا:

”میرے شہنشاہ حسینؑ! اللہ سے کہہ کہ میرے وعدے کی لاج رکھے۔“

یہ کہہ کر جیسے ہی چھاؤں کی طرف قدم بڑھایا، بیمار کے ہاتھوں سے اصغرؑ کی ماں

گئی اور بیمار نے تڑپ کر کہا:

”انا لله وانا اليه راجعون“

اماں ربابؑ بھی ساتھ چھوڑ گئی۔“

اور جب غسل دیا گیا تو خدا کی قسم! بی بی زینب عالیہؑ کی چھینیں نکل گئیں، فضلہؑ کی

چھینیں نکل گئیں۔ بیمار کر بلا نے پوچھا:

”اماں! کیوں روتی ہو؟ رونے کا سبب کیا ہے؟“

تو زینبؑ کی آواز آئی:

”سید بیمارؑ! ربابؑ کے گرتے کے دامن میں کوئی شے بندھ گئی

ہوئی.....“

سجاد نے کہا:

”پھوپھی اماں کھول کر دیکھیں کہ یہ کیا ہے؟“

جب کھول کر دیکھا تو اصغر کی نشانی نکلی..... ماں کی فطرت ہے نا! بیچے کی نشانی کو سینے سے لگا کر رکھا اور اگر میری مائیں بہنیں حوصلے سے سن سکیں تو میں بتائے دیتا ہوں کہ اصغر کی کیا نشانی تھی؟ اصغر کے چلے ہوئے جھولے کی جلی ہوئی لکڑیاں..... جب خیمے کو آگ لگ رہی تھی، اصغر کا جھولا جل رہا تھا، ماں اپنے دامن سے آگ کو بجا رہی تھی اور وہ جلی ہوئی لکڑیاں ساری زندگی اپنے دامن سے باندھے رہی۔

عزیز بھائیو!

کربلا میں ہر ماں پریشان رہی کہ میرا بیٹا دفن ہوا کہ نہیں، مطمئن تھی تو بی بی ربابؑ اس لئے کہ اس کا بچہ اصغر دفن ہو گیا تھا..... یہ جو میرے عزیزو! آپ پوچھ رہے ہیں یہ تو کتب کو فکرتھی کہ عون و محمد دفن ہوئے کہ نہیں، لیکن کو فکرتھی کہ اکبر دفن ہوا کہ نہیں، ام فروہ کو فکرتھی کہ قاسم دفن ہوا کہ نہیں..... مطمئن تھی تو علی اصغر کی ماں کہ بیٹا دفن ہو گیا۔ اس اطمینان کے ساتھ وہ گیارہ محرم کو چلنے لگی، تو جب سر اٹھا کر دیکھا تو چوٹیوں والا علی اصغر کا سر نیزے پر سوار نظر آیا۔ ربابؑ نے اس کریناک منہر کو دیکھ کر چپ عمل پر کچھ اس طرح سر مارا کہ ساری عمر خون بند نہ ہو سکا۔ ربابؑ ساری عمر اسی بات کو روتی رہی کہ میرے لال تو جب دفن ہو گیا تھا تو پھر تجھے دوبارہ کس نے فزع کیا..... کس نے تمہیں چوٹیوں سمیت نوک نیزہ پر باندھ دیا۔

عزیزانِ محترم!

بس اس سے آگے پڑھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ دنیا مجھ کو بھی سید کہتی ہے، حقیقت کا علم اللہ کو ہے۔ ظاہر ہے کہ میرے خون میں اب وہ طاقت نہیں رہی کہ میں سارے

مصائب آپ کو سنا سکوں، میں صرف یہ کہہ کر آپ سے اجازت لیتا ہوں کہ حیف ہے ان کلمہ گوؤں پر جنہوں نے یہ کام کر دیا..... اب میں ان غیر مسلموں کو کیا کہوں کہ جب شام سے سادات کا قافلہ گزر رہا تھا تو ایک چرچ کے سامنے سے بھی گزرا۔ اس میں بیٹھی ہوئی ایک ۸۶ سالہ راہبہ کہنے لگی عیسائی عورتوں سے، آؤ میرے ساتھ ان سے پوچھیں کہ قیدیو! تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تاکہ تمہیں دے دیں۔ اس نے کسی عورت کو بھیجا کہ ان قیدیوں سے پوچھ کہ انہیں کیا چاہئے؟

اچانک اس کی نظر نیزوں پر سوار سروں پر پڑی، تو وہ حیران رہ گئی۔ ایک تازہ تازی نوخیز پھول کا سر تھا جس کی آنکھیں بند تھیں اور ایک نوجوان کا سر تھا کہ جس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ نوجوان کا سر اس چھولے سر کو دیکھ رہا تھا۔ راہبہ نے عیسائی عورتوں سے کہا، دوڑ کر آؤ۔ وہ سب اس سر کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ اے پہلی کے چاند!

ایہا الہلال

”اے پہلی کے چاند.....“

پھر اس نے دوسرے سر کے نیزے کو پکڑ کر ہلایا اور کہا:

ایہا البدر التمام

”اے چودھویں کے کھل چاند!“

میں دعا کرتی ہوں کہ تمہارے نیزے پر چڑھنے سے پہلے تمہاری ماں مر گئی ہو.....

اچانک محل سے آواز آئی:

”نہیں راہبہ! میں لٹی ساتھ ہوں، یہ ربابؑ بھی میرے ساتھ ہے“

نوجوان کا سر میرے اکبر کا سر ہے اور نوخیز پھول کا سر اس کے علی اصغر

کا سر ہے.....“

## مجلس وہم

لا اكر اه فى الدين قلدت بين الرشده من الغى

بسم الله الرحمن الرحيم

ان المدين عند الله الاسلام

(ایک صلوٰۃ پڑھ لیں!)

ارشاد الہی ہو رہا ہے بے شک حقیقی معنوں میں اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے..... اور یہ دین دو اشیاء پر مشتمل ہے۔ یہ دو اجزاء جب آپس میں ملتے ہیں تو دین کا وجود وجود میں آتا ہے۔ ایک جزو کو اصول دین اور دوسرے کو فروع دین کہتے ہیں جب یہ دونوں اجزاء باہم ملتے ہیں تو دین اسلام کا جسم بنتا ہے..... اور اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس جسم میں روح بھی آجائے تو روح نام ہے اس پاکیزہ محبت کا جس کو قرآن کی زبان میں مودت کہتے ہیں۔

اللہ نے اپنے حبیب سے کہلوا یا:

قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فى القربى

”اے میرے حبیب! ان سے کہہ دیجئے میں تم سے اپنی رسالت کی

خداوند!

تیری خدائی میں یہ بھی ہوتا تھا.....

خداوند! انہیں سروں کا واسطہ تمام چھوٹے بچوں کی حفاظت فرما، تجھے انہی سروں کا واسطہ! بے اولادوں کو اولاد عطا فرما، انہی سروں کا واسطہ! بانی مجلس کی جھولی کو ہرا بھرا کر دے، مجھ غریب کی اس چھوٹی موٹی پڑھائی کو قبول فرما، واسطہ الہی سروں کا مجھے اس ذکر کے لئے صحت سے سرفراز فرما.....

لعنت الله على القوم الظالمين



اجرت کچھ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قربیٰ سے مودت رکھو.....“

اور مودت محبت کی آخری منزل کا نام ہے۔

پڑھے لکھوں کے لئے ایک بات عرض کر دوں کہ اس آیت مبارک نے ہمیں صریحاً بتایا ہے کہ جہاں محبت اپنے آپ کو قربان کر دیتی ہے وہاں سے مودت کا آغاز ہوتا ہے۔

(ذرا جاگ کر صلوٰۃ پڑھیں محمدؐ و آل محمدؐ پر!)

تفصیلی گفتگو انشاء اللہ کل کے بیان میں کر دوں گا، آج میں وقت کی کمی کے پیش نظر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایک مرد مومن کی محبت، مودت اور عشق کا اگر کوئی نقطہ مرکز اور محور ہے تو صرف ایک ذات ہے جسے سرکار محمد مصطفیٰؐ کہتے ہیں.....

صاحبزادہ گرامی!

(غور ہے میری بات پر..... توجہ کیجئے گا!) آپ اس دلی جذبے کو محبت، مودت یا عشق میں سے کوئی بھی نام دے لیں، اس کا تعلق ہے تو عشق سے اور عشق ہوتا ہے ہمیشہ حسن سے، ہمارے عشق کا مرکزی نقطہ ہے حضورؐ کی ذات۔

اب حسن کی تعریف کا تعین بھی ضروری ہے، لیکن حسن کی تعریف ہر ایک کے اپنے اپنے خیال کے مطابق ہے..... المل پنجاب کا اپنا معیار حسن، یورپ والوں کا اپنا، بنگالیوں کا اپنا معیار حسن اور افریقیوں کا اپنا..... افریقہ کے لوگوں میں جو شخص جتنا زیادہ کالا ہوگا، جتنے زیادہ اس کے بال ہتھکریا لے ہوں گے، جتنے موٹے موٹے اس کے ہونٹ ہوں گے، جتنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوں گی اور جس قدر زیادہ رال منہ سے بہتی ہوگی وہ اتنا ہی حسین ہے..... (مجھ میں آ رہی ہے میری بات!) کوئی معیار مقرر نہیں ہے حسن کا..... اب آئیے میں اسلام کے نقطہ نگاہ سے آپ کو حسن کی تعریف بتاؤں۔ میری بات پدغور ہے نا! کہ اسلام میں حسین کے کہتے ہیں؟ یاد رکھیے گا، اسلام کے نقطہ نظر سے حسین کہتے ہیں بے عیب کو.....

جو شخص جتنا زیادہ بے عیب ہوگا اتنا ہی وہ حسین ہوگا..... (نعرۂ حیدری)

حاضرین گرامی!

(توجہ کیجئے گا!) جو جتنا بے عیب ہوگا اتنا ہی حسین ہوگا، اسی لئے ہمارے عشق کا محور وہ حسین ہے کہ جسے خود خدا بھی بے عیب کہہ رہا ہے۔

حضرات محترم!

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم کے بارے میں یہ جو نئی نئی کتابیں چھپ کر آ رہی ہیں، ان میں بعض نے یہ لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم سے کبھی بھی خطا نہیں ہوئی۔ ان لوگوں میں ہم بھی شامل ہیں کہ حضورؐ بالکل معصوم ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ ان سے غلطی نہیں ہوتی، وہ کبھی جان بوجھ کر خطا نہیں کرتے، لیکن کبھی کبھی بھول کر غلطی ہو سکتی ہے..... (میری بات پر غور ہے!) یعنی رسولؐ جان بوجھ کر غلطی تو نہیں کرتے، لیکن کبھی کبھی بھول کر..... کیا پوائنٹ (Point) پیدا کیا ہے؟

میرے محترم سامعین!

ایک بات بتائیے! فرض کیجئے، چودھری صاحب نے مجھ سے کہا کہ ”ایک ڈرائیور چاہئے جو کہ بڑا تجربہ کار ہو۔“

میں نے کہا:

”ڈرائیور موجود ہے، ہے بھی بہت تجربہ کار، لیکن تنخواہ ذرا زیادہ مانگتا ہے۔“

انہوں نے کہا:

”تنخواہ کی آپ فکر نہ کریں۔“

”بھئی! عدالتوں میں میرے کیسز (Cases) چل رہے ہیں، کوئی اچھا سا وکیل بتائیں۔“

میں نے کہا:

”وکیل بہت اچھا ہے، باریٹ لاء ہے، بہت قابل ہے، نہ جانے کیا کیا ڈگریاں اور ڈپلومے حاصل کر چکا ہے، بہت تجربہ کار ہے، لیکن اس میں ایک ذرا سی خالی ہے، وہ بیچارہ جان بوجھ کر نہیں، لیکن کبھی کبھی بھول کر عدالت میں مخالف کا ساتھ دینا شروع کر دیتا ہے۔“

یہ سن کر وہ صاحب بولے:

”بھئی ایسا وکیل اپنے پاس ہی رکھیں۔“

سامعین محترم!

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، ایک جاہل دیہاتی بھی جانتا ہے، سب کو اللہ نے اتنی عقل دی ہے کہ کبھی بھی بھول کر اسٹیرنگ موڑنے والا ڈرائیور نہیں رکھتے، بھول کر دوا کی جگہ زہر لکھ دینے والے حکیم کے پاس نہیں جاتے، مقدمات میں مدعی اور مدعا علیہ کے فرق کو بھول جانے والا وکیل نہیں کرتے، تو ان مولوی صاحبان نے تو بہ نغوذ باللہ اپنے سے زیادہ کم عقل سمجھ رکھا ہے کہ وہ عالمین کو ہدایت دینے والا ایسا بھیج دیں جو کبھی کبھی بھول جاتا ہو۔

عزیزانِ گرامی!

یہ بھول جانا ایک نقص ہے، ایک عیب ہے، نبیؐ کی ذات میں نقص اور عیب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یاد رکھئے! یہ فاطمہؑ کے لال کی مجلس اللہ کے رسولؐ کی رسالت پر ہونے والے ناجائز قسم کے الزامات کے مقابلے میں جوابی کارروائی ہیں۔ آپ یہاں آتے

میں ڈرائیور لا کر ان کو روے دیا، لیکن میں نے ان کے کان میں ایک بات بھی کہی

کہ

”ڈرائیور تو بہت اچھا ہے، جان بوجھ کر غلطی بھی نہیں کرتا، لیکن کبھی کبھی بھول کر اشاروں کی خلاف ورزی کر جاتا ہے..... یعنی اگر رکنے کا اشارہ ہے تو یہ چل دیتا ہے اور اگر اشارہ دائیں مڑنے کا ہو تو یہ اسٹیرنگ دائیں کی بجائے بائیں موڑ دیتا ہے۔“

اب چودھری نے جب اس کی بھول چوک کی باتیں سنیں تو کہا، جناب یہ ڈرائیور کھ قابل سہی، لیکن مجھے ہرگز نہیں چاہئے۔

ایک صاحب نے مجھے کہا کہ

”بھائی صاحب! مجھے فلاں تکلیف رہتی ہے، آپ مجھے کوئی اچھا سا ڈاکٹر بتادیں۔“

میں نے کہا:

”ڈاکٹر موجود ہے، ہے بھی سوئٹزر لینڈ، امریکہ اور لندن کا پڑھا لکھا۔“

مریض چلنے کو تیار ہوا تو میں نے کہا:

”ایک بات سن لیجئے! ڈاکٹر ہے تو بہت قابل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نیز تجربہ کار، لیکن اس میں ایک خرابی ہے، ایک خامی ہے، اگرچہ وہ جان بوجھ کر یہ کام نہیں کرتا، لیکن کبھی کبھی دوا کی جگہ زہر لکھ دیتا ہے..... بھول کر بھی بھول کر! جان بوجھ کر تھوڑا ہی لکھتا ہے۔“

ان کے چلتے ہوئے قدم رک گئے، کہنے لگے:

بھلا بھائی صاحب! مانا کہ وہ بھول کر ہی ایسا کرتا ہے، لیکن اس کبھی کبھی

کی زد میں کبھی میں بھی آ گیا، تو پھر کیا ہوگا؟“

ایک صاحب نے کہا کہ

ہیں تو اس لئے کہ نواسہ رسول کے صدقے میں معلوم ہو کہ پیغمبر کا کیا مقام ہے۔  
(میری بات پہ غور ہے یا نہیں.....!) یہ بھول جانا عیب ہے نقص ہے اور جسے اللہ  
کھے:

”اے میرے حبیب! میں تمہیں ایسا پڑھاؤں گا ایسا پڑھاؤں گا کہ تو  
کبھی بھول سکتا ہی نہیں.....“

کیوں میرے شیعہ سنی بھائیو! مجھے سوچ کر بتائیے کہ آج تک کسی نے کسی عیب دار  
چیز کی قسم کھائی ہے۔ آپ سب کی خاموشی بتاتی ہے کہ ہو سکتا ہے نیاز بیک میں ایسا رواج  
ہو کہ کوئی کہے کہ مجھے قسم ہے تیری لنگڑی ٹانگ کی، کوئی کہے کہ مجھے قسم ہے تیرے ٹیڑھے منہ  
کی..... معلوم ہوا کہ کوئی بھی کسی عیب دار شے کی قسم نہیں کھاتا اور خدا کہتا ہے.....

”اے رسول! میں تیری تمام زندگی کی قسم کھاتا ہوں۔“ (نعرۂ حیدری)  
”تیری نماز زندگی کی قسم! تیری تمام عمر کی قسم.....“

پیغمبر کی زندگی کو اللہ نے تقسیم نہیں کیا کہ چالیس سال بعد کی قسم چالیس سال پہلے  
کی قسم، تیری جوانی کی قسم تیرے بڑھاپے کی قسم..... اللہ اپنے رسول کی پوری زندگی کی قسم  
کھاتا ہے اور رسول کی پوری زندگی کی قسم کھاتا یہ بتلاتا ہے کہ اگر نبی کی زندگی میں ذرہ برابر  
بھی کوئی عیب ہوتا تو خدا پوری زندگی کی بھی قسم نہ کھاتا..... اور قسم بھی کیسی کھاتا ہے:

لا اقسام بهذا البلد و انت حل بهذا البلد

اے میرے حبیب! میں سرزمین مکہ کی قسم کھاتا ہوں میں ارض بیت اللہ کی قسم کھاتا  
ہوں۔ مگر کب تک؟ جب تیرے قدم اس زمین پر آ جائیں گے، جب تیرے قدم اس سرزمین  
پر آئیں گے تو میں قسم کھاؤں گا، حالانکہ قدم تو لائق قسم نہیں ہوتے۔

بھئی! لوگ سر کی قسم کھاتے ہیں یا پاؤں کی.....؟

سر اور پاؤں کا فرق سمجھ میں نہیں آیا آپ کے؟ مجھے کسی نے کہا، نسیم صاحب سلام  
علیک! میں نے پاؤں سے جواب دیا، وعلیک السلام۔ سبھی کہیں گے، بڑا تمیز مولوی ہے۔ ہم

اسے سلام کرتے ہیں ہاتھ سے، یہ جواب دیتا ہے ٹانگ سے..... لیکن اگر سر ہلایا جائے تو!  
آپ نے سلام علیکم کہا، میں نے سر ہلا دیا۔ آپ خوش ہو گئے، لیکن اگر ٹانگ ہلی تو آپ  
ناراض.....! آپ کی زیادتی نہیں ہے یہ..... بھئی! سر بھی میرا ٹانگ بھی میری دونوں ایک  
ہی جسم کے اعضاء۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ بھئی! سروالے کی عزت ہوتی ہے، ٹانگ والے کی  
نہیں..... حالانکہ ٹانگ تو بڑی قابل رحم ہے کہ یہ سر کو سینے کو پیٹ کو اٹھائے اٹھائے پھر رہی  
ہے۔ تو آپ کو اس بوجھ اٹھانے والی سے کیوں نفرت ہے؟

(نہیں ابھی واضح نہیں ہوا اور واضح کرتا ہوں!)

بھئی! ایمان سے بتائیں کہ میں اگر سر سے ٹوپی اتار کر اگر آپ کے قدموں میں  
رکھ دوں تو میرے سارے پچھلے گناہ معاف کر دو گے یا نہیں؟ کر دو گے نا! اور اگر پاؤں والا  
جو اتار کر آپ کے سر پر رکھ دوں تو کیا مار نہیں ڈالو گے مجھے جان سے..... یہاں کوئی نہیں  
آنے دے گا، سبھی کہیں گے کہ وہ مولوی تو پاگل ہے، اسے اتنی بھی عقل نہیں ہے کہ پاؤں  
والی چیز اتار کر سر پر رکھ دیتا ہے..... معلوم ہوا جتنی قدر سر کی ہے اتنی پاؤں کی ہرگز نہیں  
ہے.....

مگر اللہ کہتا ہے:

میرے حبیب! تیرے قدم اور ہیں اور ان کے قدم اور ہیں، اگر ان  
کے قدم بے جا اٹھیں گے تو یہ جو قسمیں کھائیں گے اور اگر تیرے قدم  
سرزمین کعبہ پر آئیں گے تو میں قسمیں کھاؤں گا.....“

میرے شیعہ سنی بھائیو!

سوچ کر بتاؤ کہ اگرچہ پاؤں لائق قدم نہیں ہوتا، لیکن اگر محمد مصطفیٰ کسی چیز پر یا  
کسی زمین پر قدم رکھ دے تو وہ لائق قسم ہو جاتی ہے اور اگر وہ اپنی زبان کسی سے منہ میں رکھ  
دے تو.....! (نعرۂ حیدری)

دیکھو میرے عزیزو! ہماری محبت کا ہمارے عشق کا مرکزی نقطہ اور محور اگر ہے تو وہ محمد مصطفیٰ کی ذات ہے۔ ہمیں ان سے پیار ہے جن کو حضور سے پیار ہے ہم ان پر اپنی جان دیتے ہیں جو حضور پر جان دیتے ہیں..... اور حضور کو یہ سمجھ لینا کہ وہ ہم جیسے ہیں ہم ان جیسے ہیں ہم بھول جاتے ہیں تو وہ بھی بھول جاتے ہیں وہ بھی ہماری طرح کے بشر ہی تو ہیں..... میرے دوست! ذہن سے یہ غلط فہمی نکال دے۔

یاد رکھ! ہم نہ عقلی طور پر نبی جیسے ہیں نہ شرعی طور پر نبی جیسے ہیں اور نہ فکری طور پر نبی جیسے..... نہ خلقت کے اعتبار سے نہ منصب کے اعتبار سے کسی اعتبار سے بھی ہم ان جیسے نہیں۔ وہ پیدا ہوئے اپنا کلمہ پڑھوانے کے لئے جبکہ ہم پیدا ہوئے ان کا کلمہ پڑھنے کیلئے۔

بخدا یاد رکھئے! یہ تصور رکھنا کہ صاحب وہ چلتے پھرتے نظر آتے تھے کھاتے پیتے دکھائی دیتے تھے وہ ہم جیسے ہی تو تھے بالکل ہم جیسے بشر یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

میں نے بہت غور کیا کہ نبی کو سب سے پہلے بشر محض کیوں کہا گیا؟ کس نے کہا اور یہ تصور کہاں سے آیا؟ اس مقصد کے حصول کے لئے میں پورا قرآن پڑھتا رہا پڑھتے پڑھتے ایک آیت پڑھی کہ اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ

”جیسے ہی میں آدم کو بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم

سب کے سب سجدے میں جھک جانا.....“

سارے فرشتوں نے سجدہ کیا ”الا اہلیس“ صرف ابلیس نہ جھکا۔ اللہ نے پوچھا:

”تو کیوں سجدہ نہیں کرتا اسے کہ جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے

بنایا ہے۔“

اب اس کا جواب سنئے کہ جواب میں اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

لم اکن لامجد لبشر

”میرے ہاتھوں سے نہ بنا کر دوں گا اس بشر کو.....“

اب یہ سننا تھا کہ رحمان و رحیم جبار و قہار ہو گیا۔ اللہ نے کہا:

”تیری لعنت تیرا تقاب کرتی رہے گی۔ میں نے نبی بنایا ہے اور تو

میرے نبی کو بشر کہتا ہے.....“

اب بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سب سے پہلے کس نے نبی کو بشر کہا ہے اور وہ

بھی بغیر کسی شرط کے..... ہو سکتا ہے یہاں حافظان قرآن بیٹھے ہوں علماء بیٹھے ہوں وہ کہیں

کہ اللہ نے بھی تو ایک لفظ استعمال کیا تھا بشر کا تو اللہ نے استعمال کیا یہ لفظ تو کوئی بات نہیں

لیکن شیطان نے یہ استعمال کیا تو اللہ کو بہت غصہ آ گیا..... معاف کیجئے گا! ہمیشہ یاد رکھیں کہ

اللہ نے جب لفظ بشر استعمال کیا ہے تو شرطیں لگا لگا کر کیا ہے کہ..... میں ایسا بشر بناؤں گا کہ

کھٹکتی ہوئی ہنسی سے اسے بناؤں گا دوسری اذی صوبینہ تصویر کی شرط لگائی ہے۔ و نطقہ فی

روحی پھر اس میں روح پھونکنے کی شرط لگائی ہے۔ یاد رکھئے کہ جب شرط آتی ہے تو نوع

بدل جایا کرتی ہے..... مگر ابلیس اپنے مطلب کا لفظ لے لیتا ہے اور جو مطلب کا نہیں وہ چھوڑ

دیتا ہے۔ یہ آدمے کا لینا اور آدمے کا چھوڑ دینا کس کی سنت ہے۔

بعض حضرات مجھ سے کہنے لگے کہ آج کے بچے اور یہ پڑھے لکھے حضرات

بیچارے کبھی کبھی ہم مولویوں کو چھیڑتے ہیں۔ جس طرح ایک بچے نے مجھ سے کہا:

”قبلہ! یہ شیطان و یطان ہم نے بہت سنا ہوا ہے آپ ذرا اس کی کوئی

نشانی تو بتادیں۔“

میں نے کہا:

”بیٹا! اگر میرے پاس کبیرہ ہوتا یا میں اس وقت موجود ہوتا تو اس کی

تصویر کھینچ کر تجھے دے دیتا..... جبکہ اس وقت نہ میں تھا نہ کبیرہ تھا“

نشانی کس طرح بتاؤں؟“

کہنے لگا:

”مولوی صاحب! کچھ نشانی تو بتائیں؟“

تو میں نے کہا کہ

”قرآن نے شیطان کی پہلی نشانی یہ بتائی ہے کہ اسی نے نبیؐ کو سب سے پہلے بشر کہا ہے۔ اب جو بھی تمہیں نبیؐ کو بشر کہتا نظر آئے سمجھ لینا کہ وہ شیطان کا فوٹو ہے۔“ (نعرۂ حیدری)

ارے میرے دوست!

خدا کی قسم! پیغمبرؐ کو صرف بشر سمجھنے والا انسان خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو مصر کی عورتوں سے بھی گھٹیا ذہن کا مالک ہے کیونکہ جب مصر کی عورتوں نے زلیخا سے کہا کہ ہمیں اپنے محبوب یوسفؑ کا جلوہ دکھاؤ۔ تو زلیخا نے کہا کہ تم کل آ جانا..... حالانکہ ملکہ مصر تھی سب کی زبانی بند کر سکتی تھی سپاہیوں کے ہاتھوں میں کوڑے پکڑا کر رائے عامہ کو بدل سکتی تھی لیکن سمجھتی تھی کہ مجھ پر ہونے والا اعتراض جبر سے نہیں دے گا لہذا ان کو یوسفؑ کا جلوہ دکھائی دوں۔ اب یوسفؑ ایک کمرے میں ہیں دو دروازے پر کنیز کھڑی ہے زلیخا عورتوں کے ہمراہ صحن میں ہے۔ زلیخا نے رومال ہلایا کنیز نے پردہ ہٹایا یوسفؑ برآمد ہوئے حسن کی بجلی چمکی اور چھریاں چل گئیں..... جیسے ہی انہوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو کہنے لگیں:

رائینہ اکبرنہ وقطن ایلیہن

”ماشاء اللہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ توبہ توبہ توبہ!“

وقلن حاش للہ ما هذا بشر ان هذا الاملک کریم

”یہ بشر نہیں ہے یہ تو نوری فرشتہ ہے۔“

اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کافرہ عورتیں ہو کر بھی نبیؐ کو بشر نہ کہہ سکیں

اور..... (نعرۂ حیدری)

سامعین!

نہ ہمارے ہاتھ نبیؐ جیسے ہیں نہ شرعی اعتبار سے ہم اس جیسے ہیں۔ شرعی اعتبار سے

اس لئے کہ ہمارا کلمہ اور ہے نبیؐ کا کلمہ اور ہے ہمارا کلمہ ہے:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ

اور نبی اکرمؐ پڑھتے ہیں:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انی محمدا رسول اللہ

(توجہ ہے یا نہیں!) آپ پر پانچ نمازیں واجب ہیں نبیؐ پر چھ نمازیں واجب ہیں۔ نبیؐ کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

”اے میرے حبیب! آپ تہجد بھی پڑھیں۔“

ہم پر تہجد واجب نہیں ہے نبیؐ پر واجب ہے۔ آپ نماز پڑھ رہے ہیں آپ کو کوئی بلا لے مثلاً صدر ہی کیوں نہ بلا لے وزیر اعظم بلا لے آپ نماز توڑ نہیں سکتے لیکن نبیؐ کے لئے ارشاد ہو رہا ہے:

”جو نبی میرا رسول بلائے نماز توڑ دو اور نبیؐ کی آواز پر لبیک کہو۔“

آپ رستے میں جا رہے ہیں آپ جتنے مرضی بھاگتے جائیں میں نہیں روک سکتا مگر نبیؐ کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

لا تقد موا بین یدی اللہ و رسولہ

”خبردار! میرے رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔“

آپ میرے سامنے جتنی چاہیں آواز بلند کر لیں میں آپ کو روک نہیں سکتا لیکن نبیؐ کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

”خبردار! میرے نبیؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرنا ورنہ سارے

اعمال ختم کر دوں گا۔“

(سمجھ میں آ رہی ہے میری بات!) بظاہر دیکھنے میں اس کے اعضاء اور ہمارے

اعضاء ایک جیسے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میرے اعضاء وہ

ہیں کہ جب کوئی چاہے دد گھونے مار کر توڑ دے نبی کے ہاتھ وہ ہیں کہ اشارہ کریں تو بادل آ جائے چاند کو دکھلا دیں تو شق ہو جائے ابو جہل کی طرف بڑھا دیں تو چہرہ فق ہو جائے میں اگر کہیں تھوکوں تو گورنمنٹ کو بورڈ لگانے پڑتے ہیں کہ ”یہاں تھوکنہ نہیں تھوکنے سے نبی پھیلتی ہے“ اور نبی کا لعاب دہن وہ سے کہ کھارے پانی میں ڈال دیں تو اس کا کھار پن دور ہو جائے علی کی آنکھ میں لگا دیں تو سرجی کا فور ہو جائے صحابی کی سانپ سے ڈی ہوئی جگہ پر لگا دیں تو درد دور ہو جائے حسین کو چوسا دیں تو علم کا طور ہو جائے

(نعرہ حیدری)

میرے دانت وہ ہیں کہ جب کوئی چاہے میری چھاڑی میں دوا لگا کر نکال پھینکے مگر نبی کے دانت اندھیری کوٹھڑی میں مسکرا دیں تو ام المومنین حضرت عائشہ کو گمشدہ سوئی مل جائے اور جناب خدیجہ الکبریٰ کو یسویٰ مل جائے (فرق سمجھ میں آ رہا ہے!)

میرے بال وہ ہیں کہ جب چاہے کوئی نانی کاٹ کر لے جائے اور گندی نالیوں میں پھینک دے سڑکوں پر پھرتے رہیں مگر نبی کے بال وہ ہیں کہ خالد بن ولید اپنی ٹوپی میں کھ لے جس جنگ میں جائے فاتح قرار پائے ہر قل اپنے تاج میں رکھ لے تو درد سر سے نمایاب ہو جائے ابوصالح کے گھر میں رہ جائیں تو فرشتے رات بھر تسبیح و تہلیل کرتے رہیں۔ میرے شیعہ سنی بھائیو! ذرا سوچ کر بتاؤ کہ بال کا یہ حال ہے تو آل کا کیا حال ہوگا؟

یاد رکھئے گا دوستو!

میری نگاہیں وہ ہیں جو اصل حقیقت کو نہیں دیکھتیں آنکھیں کچھ دیکھتی ہیں اور دل کچھ کہتا ہے۔ میں سورج کی روشنی میں ایک رنگ دیکھتا ہوں حالانکہ اس کی روشنی میں سات رنگ ہیں۔ میں دور سے دیکھتا تو لگتا ہے کہ نہر چل رہی ہے لیکن قریب جاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچی سڑک چمک رہی ہے۔ دور سے دیکھتا ہوں تو ٹھانسیں مارتا ہوا دیا دکھائی دیتا ہے قریب جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ ریت کے ٹیلے تھے جو چمک رہے تھے۔ رات کو دیکھتا

ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ آسمان پر چاند بھاگا جا رہا ہے حالانکہ چاند نہیں بادل بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ تجربے کی بات ہے ایشیئن پر دو گاڑیاں کھڑی ہوں تو اگر سامنے والی چل پڑے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس میں بیٹھے تھے وہ بھی چل رہی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میری آنکھ کچھ دیکھتی ہے اور دل کچھ کہتا ہے مگر نبی کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

ما کذب فواد مارای

جو کچھ تمہاری آنکھ دیکھتی ہے تمہارا دل بھی اس کی تردید نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تیری آنکھیں اصل حقیقت دیکھتی ہیں اور جو آنکھیں دیکھتی ہیں دل بھی وہی کہتا ہے۔

آپ کا یہی راز تھا یہ سر تھا یہی رمز مخفی تھا کہ جسے زمانہ نہ سمجھ سکا۔ میں پوچھتا ہوں

”یا رسول اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ مسجد نبوی ہے کہ بچوں کے کھیل کا میدان؟ نماز ہے یا بچوں کا مشغلہ و تفریح؟ یہ کون آہستہ سے آ کر حالت سجدے میں آپ کی پیٹھ پر بیٹھ گیا؟ یہ کس لئے سجدے کو طول دے دیا؟ یہ بچہ ہی تو ہے اتار دیں اس کو“

آواز رسول آئے گی:

”تو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ تو صرف نواسے کو دیکھ رہا ہے میں بانی لالہ کو دیکھ رہا ہوں۔“

(نعرہ حیدری)

تو میری بیٹی کا گوشہ جگر دیکھ رہا ہے میں دین کا لنگر دیکھ رہا ہوں۔ تو فقط

حسین دیکھ رہا ہے میں شہید کونین دیکھ رہا ہوں۔“

اور خدا کی قسم! مزے کی بات یہ ہے کہ ادھر سے نواسہ چلا ادھر سے بھراٹیل چلا۔

نماز باجماعت ادا ہو رہی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جسی طلیل القدر ہستیاں سجدے میں ہیں۔ شیعہ سنی مومنین نے لکھا ہے کہ نواسہ رسول ان صفوں سے گزر رہے ہیں اور سجدوں کے

بیٹھا ہے؟ نہیں..... اس لئے کہ وہ ہم جیسا بشر نہیں ہے۔ یہ ہماری نماز ہے کہ ہم نماز میں ہوں تو بھولی بھنگی باتیں یاد آ رہی ہوتی ہیں مگر جب پیغمبرؐ نماز پڑھتا ہے تو سوائے خدائے واحد کے اس کے ذہن میں کسی کا تصور تک نہیں آتا۔ وہ بہتر سمجھتا ہے کہ ”سبحان“ کون ہے؟ ”رہی الاعلیٰ“ کون ہے؟ رحمان درجیم کون ہے؟ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہے۔ اللہ نے کہا:

”جبرائیل! میرا حبیب میری طرف متوجہ ہے اسے کچھ پتہ نہیں کہ اس کی پشت پر کون ہے تو جا کر اسے بتلا دے۔“

اب میرے پاس دلیل ہے دوستو! کہ جس کے وحی کے پاؤں سے سجدے میں تیر نکالا جائے تو اسے پتہ بھی نہ چلے اس کے سردار کو کیا پتہ کہ پشت پر کون آ بیٹھا ہے..... (ایک صلوٰۃ پڑھ لیں!)

چنانچہ جبرائیل آیا اور رسولؐ کو آگاہ کر دیا..... اب میں کہتا ہوں کہ جبرائیل تم آئے اور بتا دیا۔ اب ذرا بیٹھ جاؤ جب سجدہ ختم ہو جائے اور نواسہ رسولؐ سجدے میں پڑے رسولؐ کی پشت سے اتر جائے تو رسولؐ کو یہ بھی بتا دینا کہ نواسہ اتر گیا ہے..... مگر نہیں جبرائیل صرف یہ بتا کر واپس چلا گیا کہ جب تک یہ نہ اتر جائے سجدے سے سر نہ اٹھانا اب پیغمبرؐ تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں ”سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ“، پھر کہا ”سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ“ سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ“ چالیس مرتبہ پڑھ کر خیال آیا کہ حسینؑ بیٹھا ہے یا نہیں! دیکھا کہ بیٹھا ہے تو پھر سجدے کو طول دیا پچاس مرتبہ تسبیح سجدہ پڑھ کر خیال آیا کہ حسینؑ اتر گیا ہے یا نہیں! لیکن حسینؑ بھی بیٹھا تھا۔ پھر کہا ”سبحان ربی الاعلیٰ“، حتیٰ کہ ساٹھ (۶۰) مرتبہ پڑھا اور خیال کیا کہ حسینؑ اتر گیا کہ نہیں پھر ستر (۷۰) مرتبہ پڑھا تو نواسہ مسکرا کر اتر گیا.....

عزیزان گرامی! دراصل اللہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ عبادتوں کی معراج ہے نماز نماز کی معراج ہے سجدہ اور سجدے میں بھی ہے صاحب معراج! اے میرے حبیب! آج تیری

عالم میں پڑے پڑے جلیل القدر صحابی نماز کے عالم ہی میں حسینؑ کو راستہ دے رہے ہیں..... ایک صف سے گزرے دوسری صف سے گزرے تیسری صف سے گزرے خدائی قسم! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حسینؑ نہیں گزر رہے بلکہ شب معراج رسولؐ آسمانوں کے جہازوں سے گزر رہے ہیں یا دریائے نیل سے موسیٰؑ گزر رہے ہیں۔

نہیں عزیزان محترم!

ارباب نظر کے لئے ایک جملہ اور کہتا ہوں! ایسے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کے عالم میں پڑی صحابہ کی صفوں سے حسینؑ نہیں گزر رہے ولادت علیؑ کے لئے دیوار کعبہ میں شگاف ہا ہے..... (نعرۂ حیدری)

اور جب قریب پہنچے تو مصلے پر نہیں بیٹھے۔ یہ ایک ایسا مسلمہ واقعہ ہے جس کا انکار شیعوں نے کیا ہے نہ سینوں نے دونوں کی مشترکہ رائے اور متفقہ اعتراف بتا رہا ہوں کہ حسینؑ جا کر تانا کی پشت اطہر پر بیٹھ گئے۔ رسولؐ نے تین مرتبہ ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھا تھا کہ جبرائیل آن پہنچا.....

بھئی! یہ سید الملائکہ ہے یہ وحی کو لے کر آتا ہے پورا قرآن یہی لایا ہے۔ یہ بھول سکتا ہے نہ بھٹک سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کسے کچھ کہتا ہے؟ بچے کو یا نمازی کو۔ تو ہم نے دیکھا کہ کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ اس نے بچے کو سنبھالا ہو بلکہ وہ نمازی کے قریب گیا اور جھک کر عرض کیا کہ

”اللہ بعد از تحفہ درود و سلام فرماتا ہے کہ جب تک میرا حسینؑ اپنی مرضی

سے تمہاری پشت سے نہ اتر جائے سجدے سے سر نہ اٹھانا.....“

یہ کہہ کر جبرائیل واپس چلا گیا۔ اب مولوی صاحب کو جبرائیل کے آنے پر تعجب ہے مگر میں کہتا ہوں کہ مجھے جبرائیل کے جانے پر تعجب ہے.....! پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ آیا ہی کیوں؟ کیا نبیؐ کو یہ معلوم نہیں کہ میری پشت پر کون

معراج کی بھی معراج ہے کہ زبان پر ذکر میرا رہے اور ذہن میں تخیل حسین کا رہے۔ (نعرہ حیدری)

توجہ ہے کہ نہیں صاحبان!

حدیث میں ہے:

الصلوة معراج المؤمن

”نماز مومن کی معراج ہے۔“

یہ نماز کا موضوع ایک مستقل موضوع ہے آپ نے میرا ساتھ دیا تو آگے آنے والی بیروں میں کسی دن معراج کا مفصل واقعہ بیان کروں گا آج تو صرف یہی بتانا ہے کہ زمین پر بھی پیغمبر کو معراج ہو رہی ہے۔

توجہ ہے یا نہیں ہے!

اچھا مزے کی بات یہ ہے کہ پیغمبر کا تو ایک سجدہ چلتا رہا اور جو پیچھے مقتدی تھے ان کے کتنے سجدے ہوئے۔ اب ذرا تاریخ کی آنکھ سے دیکھیں تین دفعہ تو سب نے پڑھا ”بحان ربی الاعلیٰ“ پھر سر اٹھائے تو دیکھا کہ ابھی پیغمبر سجدے میں ہیں وہ بھی پھر سجدے میں چلے گئے پھر دیکھا تو پھر پھر دیکھا تو پھر۔ اب اور آگے کہوں کہ دیکھا اور گئے سجدے میں دیکھا اور گئے سجدے میں سجدے یہ سجدے کیا جا رہے تھے صحابہ رسول..... (کیسٹ ختم ہوگئی..... معذرت!)

